خلافت راشدہ	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	حق چار یار
شمارہ نمبر ۲۵	وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ۝	جون ۲۰۲۴ء

مجلہ پشاور

راہِ ہدایت

مدیر اعلی

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر

جناب طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

ناشر

نوجوانان احناف طلباءِ دیوبند پشاور

03428970409

عقیدہ ختم نبوت زندہ باد　　یااللہ مدد　　عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد

بفیضان

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المحققین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجلہ　　پشاور

راہِ ہدایت

فہرست مضامین مجلّہ راہِ ہدایت شمارہ نمبر 25

نوٹ: گزشتہ شماروں کی پی ڈی ایف حاصل کرنے کے لئے 03428970409 پر واٹس ایپ کیجئے۔

تمام شماروں کو ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے اس لنک پر کلک کریں https://drive.google.com/drive/folders/113EujribiNgCzFs7qFtVGsrN_JZbdtiC

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ (مأخوذ از وعظ و نصیحت جلد:٦)

قربانی کا حکم

اہل السنۃ والجماعۃ احناف کے نزدیک قربانی واجب ہے۔

امام فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی الزیلعی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۳ھ) فرماتے ہیں

تَجِبْ عَلَى حُرٍ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ موسرٍ عَنْ نَفْسِهِ لَا عَنْ طِفْلِهِ شَاةٌ أَو سُبُعُ بَدَنَةٍ يَوْمَ النَّحْرِ إِلَى آخِرِ أَيَّامِهِ.

(تبيين الحقائق للزيلعي ، كتاب الاضحية)

ترجمہ: دس ذوالحجہ سے لے کر قربانی کے آخری ایام (یعنی بارہ ذوالحجہ) تک ہر اس آدمی پر جو آزاد، مسلمان، مقیم اور صاحب نصاب ہو اس پر ایک بکری یا ایک بڑے جانور کے ساتویں حصے کی قربانی کرنا واجب ہے، (یہ وجوب اسی پر ہوگا) اس کے بچوں کی طرف سے نہ ہوگا۔

امام ابو بکر احمد الرازی الجصاص رحمہ اللہ (المتوفی:۳۷۰ھ) سورۃ الکوثر کی آیت نمبر ۲ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قَالَ الْحَسَنُ رَحِمَهُ اللهُ : صَلوةُ يَوْمِ النَّحْرِ وَنَحْرُ الْبَدَنِ . قَالَ أَبُو بَكْرٍ : هذا التَّأْوِيلُ يَتَضَمَّنُ مَعْنَيَيْنِ أَحَدُهُمَا إِيجَابُ صَلوةِ الْأَضْحَى وَالثَّانِي وُجُوبُ الأضْحِيَّةِ.

(احكام القرآن للجصاص، تحت سورة الكوثر)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (ت ۱۱۰ھ) نے فرمایا کہ مذکورہ آیت میں جو نماز کا ذکر ہے تو اس سے مراد عید کی نماز ہے اور وَانۡحَرۡ سے قربانی مراد ہے۔ امام ابو بکر (احمد الجصاص رحمہ اللہ ت ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: پہلی بات یہ ہے کہ عید (الاضحیٰ) کی نماز واجب ہے اور دوسری بات یہ کہ قربانی واجب ہے۔

مشہور مفسر علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (ت ۱۲۲۵ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قَالَ عِكْرَمَةُ وَعَطَا وَقَتَادَةُ : {فَصَلِّ لِرَبِّكَ} صَلوةَ الْعِيدِ يَوْمَ النَّحْرِ {وَانْحَرْ} نُسُكَكَ ، فَعَلٰى هٰذَا يَثْبُتُ بِهِ وُجُوبُ صَلوةِ الْعِيدِ وَالْأَضْحِيَّةِ.

(التفسير المظهري : ج ١٠، ص ٣٥٣)

ترجمہ: حضرت عکرمہ، حضرت عطاء اور حضرت قتادۃ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ {فَصَلِّ لِرَبِّكَ} سے مراد یہ ہے کہ قربانی کے دن نماز عید ادا کرو اور {وَانْحَرْ} سے مراد یہ ہے کہ قربانی کرو! اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نمازِ عید اور قربانی دونوں واجب ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا.

(سنن ابن ماجه : باب الاضاحی ھی واجبة ام لا)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید ارشاد فرمائی اور وعید ترک واجب پر ہوتی ہے۔ چنانچہ امام عثمان بن علی زیعی الحنفی رحمہ اللہ (ت ۷۴۳ھ) حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَمِثْلُ هٰذَا الْوَعِيدِ لَا يُلْحَقُ بِتَرْكِ غَيْرِ الْوَاجِبِ.

(تبيين الحقائق للزيلعي : ج ٦ ص ٢ كتاب الاضحية)

ترجمہ: اس قسم کی وعید؛ غیر واجب کو چھوڑنے پر نہیں ہوتی (بلکہ واجب کو چھوڑنے پر ہوتی ہے) معلوم ہوا قربانی واجب ہے۔

عَنْ جُنْدَبَ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِي رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ : مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا أُخْرَى وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ.

(صحيح البخاری، باب من ذبح قبل الصلوة اعاد)

ترجمہ: حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عید الاضحیٰ کے دن حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عید کی

نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا تو اسے چاہیے کہ اس جگہ دوسری قربانی کرے اور جس نے (عید کی نماز سے پہلے) ذبح نہیں کیا تو اسے چاہئے کہ (عید کی نماز کے بعد) ذبح کرے۔

اس میں آپ علیہ السلام نے عید سے پہلے قربانی کرنے کی صورت میں قربانی دوبارہ لوٹانے کا حکم دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی واجب ہے۔

نماز عید کا طریقہ

پہلی رکعت میں ثناء پڑھنے کے بعد تین زائد تکبیرات اس طرح کہیں کہ ہاتھ اٹھائیں پھر چھوڑ دیں، پھر ہاتھ اٹھائیں پھر چھوڑ دیں، پھر ہاتھ اٹھائیں اور باندھ لیں۔ امام صاحب اعوذ باللہ، بسم اللہ، فاتحہ اور اس کے بعد والی سورت پڑھے گا۔ مقتدی خاموش رہیں۔ اس کے بعد رکوع، قومہ، دو سجدے کر کے قیام کریں۔ دوسری رکعت میں امام صاحب بسم اللہ، فاتحہ اور اس کے بعد والی سورت پڑھے گا۔ مقتدی خاموش رہیں گے۔ قرآت کے بعد تین زائد تکبیریں اس طرح کہیں کہ ہاتھ اٹھائیں پھر چھوڑ دیں، پھر ہاتھ اٹھائیں پھر چھوڑ دیں، پھر ہاتھ اٹھائیں پھر چھوڑ دیں اور پھر رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔ پھر قومہ، دو سجدے کر کے تشہد بیٹھیں اور آخر میں سلام پھیر دیں گے۔

علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب حفظہ اللہ

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا محدثانہ مقام

(۱) امام حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ)

ذِكْرُ النَّوْعِ التَّاسِعِ وَالْأَرْبَعِينَ مِنْ مَعْرِفَةِ عُلُومِ الْحَدِيثِ هَذَا النَّوْعُ مِنْ هَذِهِ الْعُلُومِ مَعْرِفَةُ الْأَئِمَّةِ الثِّقَاتِ الْمَشْهُورِينَ مِنَ التَّابِعِينَ وَأَتْبَاعِهِمْ مِمَّنْ يَجْمَعُ حَدِيثَهُمْ لِلْحِفْظِ، وَالْمُذَاكَرَةِ، وَالتَّبَرُّكِ بِهِمْ، وَبِذِكْرِهِمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْغَرْبِ۔

(معرفۃ علوم الحدیث ۲۴۰، نسخہ دار الکتب العلمیہ، طبع ثانیہ ۱۹۷۷، دکتور سید معظم حسین)

ترجمہ: تابعین اور اتباع تابعین میں سے ان ثقہ اور مشہور آئمہ احادیث کی معرفت کہ جن کی احادیث حفظ و مذاکرہ کیلئے جمع کی جاتی ہیں اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور جن کا تذکرہ شرق سے غرب تک ہے۔

پھر آگے ص ۲۴۵ پر "امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ" کا ذکر کیا۔ گویا امام صاحب ان مشہور محدثین میں سے ہیں جن کا تذکرہ شرق و غرب میں ہے اور جن کی مروی احادیث بطور تبرک حفظ کی جاتی ہیں۔

(۲) علامہ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ)

وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَالثَّوْرِيِّ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَإِسْحَاقَ بْنِ رَاهَوَيْهِ وَأَبِي ثَوْرٍ وَأَبِي عُبَيْدٍ وَهَؤُلَاءِ أَئِمَّةُ الْفِقْهِ وَالْحَدِيثِ فِي أَعْصَارِهِمْ

(التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، حَدِيثٌ ثَالِثُ عِشْرِينَ، ج۱۷، ص۳۹۷)

یہی قول امام مالک، شافعی، امام ابو حنیفہ، ثوری، اوزاعی امام احمد بن حنبل، امام اسحق بن راھویہ، ابو ثور، ابو عبید کا ہے اور یہ لوگ اپنے زمانے کے فقہ وحدیث کے امام ہیں۔

یہاں واضح طور پر دیگر ائمہ کے ساتھ امام اعظم کو بھی نہ صرف فقہ کا بلکہ حدیث کا بھی امام مانا گیا ہے۔

(۳) محمد بن عبد الکریم شہرستانی (۵۴۸)

وأبو حنيفة، وأبو يوسف، ومحمد بن الحسن، وقديد بن جعفر.وهؤلاء كلهم

أئمة الحديث

(الملل والنحل، ص ١٦٤،صالحية،دارالكتب پشاور)

امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف یہ سب ائمہ حدیث ہیں۔

(۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)

وَأَمَّا مَنْ لَا يُطْلِقُ عَلَى اللَّهِ اسْمَ " الْجِسْمِ "، كَأَئِمَّةِ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالتَّفْسِيرِ وَالتَّصَوُّفِ وَالْفِقْهِ، مِثْلِ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ وَأَتْبَاعِهِمْ

(منهاج السنة النبويه ،ج۲،ص۱۰۵، الطبعة الاولى 1986,الوجه الخامس و فيه الرد التفصيلى)

اور وہ لوگ جو اللہ پر جسم کا اطلاق نہیں کرتے جیسے حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف کے ائمہ مثل ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین۔

ائمہ اربعہ میں سب سے پہلا نام امام ابو حنیفہ کا ہے تو گویا شیخ الاسلام کے نزدیک وہ فقہ، تصوف، تفسیر اور حدیث ان سب کے امام ہیں۔

وَأَمَّا لَفْظُ " الْمُشَبِّهَةِ " فَلَا رَيْبَ أَنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَالْحَدِيثِ مِنْ أَصْحَابِ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ مُتَّفِقُونَ عَلَى تَنْزِيهِ اللَّهِ تَعَالَى عَنْ مُمَاثَلَةِ الْخَلْقِ

(منهاج السنة ،ج۲،ص۵۲۲، لفظ المشبة،ج۱،ص۲۴۱ سهيل اكيڈمی لاہور)

وَقَدْ قَالَ الشَّافِعِيُّ: مَنْ أَرَادَ التَّفْسِيرَ فَهُوَ عِيَالٌ عَلَى مُقَاتِلٍ، وَمَنْ أَرَادَ الْفِقْهَ فَهُوَ عِيَالٌ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ (2)

(منهاج السنة النبوية، السهيل اكيڈمی لاہور ،ص۲۵۹،ج۱، الرد على القول سموا مشبهة لانهم يقولون احمد بن حنبل و محنة خلق القرآن)

(۵) امام ابن قیم (۷۵۱)

وَأَمَّا طَرِيقَةُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَأَئِمَّةِ الْحَدِيثِ كَالشَّافِعِيِّ وَالْإِمَامِ أَحْمَدَ وَمَالِكٍ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَالْبُخَارِيِّ وَإِسْحَاقَ فَعَكْسُ هَذِهِ الطَّرِيق

(اعلام الموقعين،يُصَارُ إلَى الِاجْتِهَادِ وَإِلَى الْقِيَاسِ عِنْدَ الضَّرُورَةِ، ج۴،ص۵۸،طبع اولى

دارابن الجوزی سعودی عرب ۱۴۲۳)

اور بہر حال صحابہ و تابعین اور آئمہ حدیث جیسے امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام بخاری امام اسحق کا طریقہ اس سے بر عکس ہے۔

(۶) امام شمس الدین ذہبی (۷۴۸)

امام ذہبی اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

فَهَذِهِ مُقَدِّمَة فِي ذكر أَسمَاء أَعْلَام حَمَلَة الْآثَار النَّبَوِيَّة

(المعین فی طبقات المحدثین ص۷۴،طبقة الاعمش و ابی حنیفة،الطبعة الاولی ۱۹۹۸ دارالکتب العلمیه بیروت)

اس مقدمہ میں ان لوگوں کے ناموں کا ذکر ہے جو بلند پایہ حاملین احادیث نبویہ ﷺ ہیں۔

آخر صفحہ ۲۳۲،وھنا انتہی تعریف الکبار المحدثین یعنی یہاں بڑے محدثین کے ناموں کا اختتام ہوا۔

گویا ان کی یہ کتاب بڑے بڑے محدثین کے متعلق ہے اب انہی بڑے بڑے محدثین میں انہوں نے امام ابو حنیفہ کا بھی تذکرہ کیا۔

اسی طرح "تذکرة الحفاظ د ارالکتب العلمیه بیروت، ص۱۶۸، پر بھی امام صاحب کا تذکرہ کیا اس کتاب میں صرف ان محدثین کا ذکر ہے جن کو ایک لاکھ سے تین لاکھ تک احادیث متن بمع سند یاد ہو۔

(۷)أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عبد الهادي الدمشقي الصالحي (المتوفى:744ھ)

ابن تیمیہ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے ہیں۔

ان کی کتاب "طبقات علماء الحدیث، ص۲۶۰،الطبعة الثانیه ۱۹۹۶ پر امام صاحب کا تذکرہ موجود ہے۔

بلکہ ان الفاظ کے ساتھ امام صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

وكان إمامًا، ورعًا، عالمًا، عاملًا، مُتعبدًا، كبير الشأن، لا يقبل جوائز السلطان. بل يَتَّجِرُ وَيَتَكَسَّبُ ـــ ومناقبُهُ وفضائلُهُ كثيرة

(۸)عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911ھ)

انہوں نے بھی اپنی کتاب "طبقات الحفاظ، ص ۸۰ دارالکتب العلمیه الطبعة الاولی ۱۹۸۳) پر امام صاحب کا تذکرہ کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ محدث بنانے والے تھے

سفیان بن عیینہ جیسا محدث کہتے ہیں کہ مجھے سب سے پہلے "محدث" امام اعظم امام ابو حنیفہ نے بنایا ہے۔

(۱) محی الدین ابو محمد عبد القادر بن محمد بن محمد بن نصر اللہ القرشی الحنفی (۷۷۵)

كان يقول أول من أقعدني للحديث أبو حنيفة وفي رواية دخلت الكوفةوَلَمْ يَتِمَّ لِي عِشْرُونَ سنة , فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لِأَصْحَابِهِ , وَلِأَهْلِ الْكُوفَةِ: جَاءَكُمْ حَافِظُ عِلْمِ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ: فَجَاءَ النَّاسُ يَسْأَلُونِي عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ. فَأَوَّلُ مَنْ صَيَّرَنِي مُحَدِّثًا أَبُو حَنِيفَةَ .

(الجواهر المضية ، ج۲،ص۲۳۰)

(۲)أبو يعلى الخليلي، خليل بن عبد الله بن أحمد بن إبراهيم بن الخليل القزويني(المتوفى:446ھ)

دَخَلْتُ الْكُوفَةَ , وَلَمْ يَتِمَّ لِي عِشْرُونَ , فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لِأَصْحَابِهِ , وَلِأَهْلِ الْكُوفَةِ: جَاءَكُمْ حَافِظُ عِلْمِ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ. قَالَ: فَجَاءَ النَّاسُ يَسْأَلُونِي عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ. فَأَوَّلُ مَنْ صَيَّرَنِي مُحَدِّثًا أَبُو حَنِيفَةَ

(الارشاد في معرفة علماء الحديث،ص۳۶۹،الناشر: مكتبة الرشد - الرياض،المحقق: د. محمد سعيد عمر إدريس)

مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ

قربانی پر ملحدین کا اعتراض اور اس کا جواب

ماہ ذالحجہ کا شروع ہوتے ہی مستشرقین، ملحدین اور مغربیت سے متأثر ذہنیت رکھنے والے حضرات سادہ لوح اور مذہب پسند مسلمانوں کا ذہن خراب کرنا شروع کرتے ہیں، ان میں سے اکثر کا قدر مشترک یہی وسوسہ ہوتا ہے کہ قربانی کی وجہ سے لاتعداد جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے، لاکھوں لوگوں کی رقم بلاوجہ ضائع ہوتی ہیں، اتنے بڑے پیمانے پہ فضول خرچی کی عقل سلیم ہرگز عقل سلیم اجازت نہیں دیتی۔ اس کی بجائے اگر اتنے پیسے رفاہ عامہ کے مفید کاموں، ہسپتالوں کی تعمیر، بھوکوں، بیماروں اور یتیموں پہ خرچ کیا جائے تو ہمارے دیس کے بہت سے غریب اور مستحق افراد دربدر کی ٹھوکروں سے نجات پا جائینگے۔

مذکورہ اعتراض اور وسوسے کے دو جواب ہیں!

نمبر ۱: الزامی

نمبر ۲: تحقیقی

پہلے الزامی کی طرف آتے ہیں تاکہ عقل سے خالی معترض کو اپنے غلط اعتراض کا کچھ نہ کچھ احساس تو ہو جائے۔ معترضین کو یہ اعتراض صرف قربانی کے وقت یاد آتا ہے، حالانکہ دنیا میں ہونے والی دوسری خرچیاں (جن کا شریعت نے حکم بھی نہیں دیا) ان لوگوں کو نظر نہیں آتی۔ جب کہ اصل میں تو ان کے ختم کرنے اور مٹانے کی ضرورت ہے، ہر ملک میں حکومتی پروگراموں میں کتنی فضول خرچیاں ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر ملک میں قومی اور یادگار دن منائے جاتے ہیں ان میں حد سے زیادہ فضول خرچیاں ہوتی ہے۔ اور ملک کی کتنی بڑی تعداد ایسی ہے جو سگریٹ نوشی، منشیات، کرکٹ، ہاکی، ناچ گانا، فحش پروگرام، انٹرنیٹ، ٹی وی، فضول تصویر سازی، فحش اخبار ورسائل، عید کارڈ، شادی کارڈ، ویڈیو گیمز، آتش بازی، شادی بیاہ، مرگ وموت قومی خوشی کی رسومات میں انتہائی بڑے پیمانے پر فضول خرچی کرتے ہیں یہ چیزیں ان معترضین کو نظر کیوں نہیں آتی؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو غرباء، یتیموں اور فلاحی کاموں سے کوئی غرض نہیں صرف حکمِ شرعی یعنی قربانی کی دشمنی لئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ مسلمان عبادات کے اندر معاشی فوائد دیکھنے کا قائل نہیں کیونکہ یہ چیز عبادت کی روح کو ہی ختم کر دیتی

ہے، مگر منکرین حدیث و منکرین قربانی اور مذہب بیزار طبقہ کی تسلی کیلئے اتنا ہی کہنا چاہونگا کہ قربانی کی رسم کو اگر خالصتاً معاشی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو اس پر اعتراض صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو دنیا کے حالات سے ناواقف ہو۔ اب قربانی کے معاشی فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

قربانی کے معاشی فوائد

پچھلی عید پر ایک اندازے کے مطابق 4 کھرب روپے سے زیادہ مویشیوں کا کاروبار ہوا۔ تقریباً 23 ارب روپے قصائیوں نے مزدوری کے طور پر کمائے۔ 13 ارب روپے سے زائد رقم چارے کا کاروبار کرنے والوں نے کمائے۔ گاڑیوں میں جانور لانے والوں نے اربوں روپے کا روزگار حاصل کیا، غریبوں کو مزدوری ملی، کسانوں کا چارہ فروخت ہوا، دیہاتوں کو مویشوں کی اچھی قیمت ملی۔ بعد از ان غریبوں کو کھانے کیلئے مہنگا گوشت مفت میں ملا۔ کھالیں کئی سو ارب روپے میں فروخت ہوئیں۔ چمڑا فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کو مزید کام کے مواقع میسر آئے۔ یہ پیسہ جس نے کمایا، وہ اپنی ضروریات پر جب خرچ کریگا تو کھربوں کی کاروباری سرگرمی وجود میں آئے گی۔ یہ قربانی غریب کو صرف گوشت نہیں کھلاتی بلکہ آئندہ سارا سال غریبوں کو روزگار کا بھی بندوبستی کرتی ہے۔ دنیا کا کوئی ملک اربوں روپے کا ٹیکس لگا کر حاصل ہونے والا پیسہ غریبوں میں بانٹنا شروع کردے، تب بھی غریبوں اور ملک کو اتنا فائدہ نہیں ہو سکتا، جتنا اللہ کے اس ایک حکم کو ماننے سے مسلمانوں کو فائدہ ہوتا ہے، بہر حال قربانی کرنے کے معاشی فوائد حساب سے باہر ہیں۔

آتے ہیں تحقیقی جواب کی طرف

دیکھیئے! اس صورت حال میں سب سے پہلے تو قابل غور بات یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کے اس خاص موقع پر اگر قربانی کرنے کی بہ نسبت دھوکی انسانیت کی خدمت میں مال خرچ کرنا اتنا ہی افضل، مناسب یا ضروری ہوتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مالدار اور صاحب نصاب مسلمانوں پر قربانی کے حکم کے بجائے غریب اور بدحال انسانیت پر مال خرچ کرنا ضروری قرار دیا جاتا، جب کہ یہ بات چڑھتے سورج کی طرح واضح ہے کہ ہر دور میں غریب اور نادار طبقہ موجود رہا ہے، تو یقیناً آپ علیہ السلام کے مبارک دور میں بھی یہ طبقہ موجود تھا، بلکہ ایسے افراد تو بکثرت موجود تھے، لیکن آپ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں اہل ثروت اور صاحب نصاب مسلمانوں کو اس (عیدالاضحیٰ کے) موقع پر یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنا مال، غرباء، ہسپتالوں کی تعمیر اور انسانیت

کی خدمت کیلئے خرچ کریں۔ بلکہ یہ حکم فرمایا کہ اس موقع پر اللہ کے حضور جانور کی قربانی پیش کریں، اور خود آپ علیہ السلام کا دائمی عمل قربانی کرنے کا ہی تھا۔

حضرت عبد بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

ايام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالمدينة عشرين يُضَحِّي

(سنن ترمزي باب الليل على ان الأضحية سنة،رقم الحديث ۱۵۰۷)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا(اس قیام دوران کے دوران) آپ علیہ السلام قربانی کیا کرتے تھے۔

آپ علیہ السلام کا اس عظیم حکم کو اپنے وفات تک قائم و دائم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا ہی ضروری ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایام قربانی میں قربانی افضل ہے یا نقد صدقہ ؟ترمذی شریف کی حدیث ہے

عن عائشة رضي الله عنها،أنّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:ماعمل آدمي من عمل يوم النحراحب اِلي اللّٰه من ارق الدم.

(سنن ترمزي،فضل الأضحية رقم الحديث.۱۴۹۳)

یعنی: اس دن میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک (قربانی کے جانور کا) خون بہانے سے بڑھ کر بنی آدم کا کوئی عمل پسندیدہ نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلمماانفقت الورقفي شيئ افضل من بحيرة في يوم العيد.

(سنن دارقطني، كتاب الاشربه،باب الصيدوالزبايح والاطعمة وغيرذالك،رقم الحديث ۴۳)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کئے جانے والے مال سے افضل نہیں۔

رہ گئی معترضین کی یہ بات کہ اتنے بڑے پیمانے پہ قربانی کرنے سے جانوروں کی نسل کشی ہوتی ہے جو کہ سراسر ظلم ہے۔ یاد رہے، ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ نظام چلا آرہا ہے کہ انسانوں جانوروں کو جس کی ضرورت جتنی زیادہ ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کی پیدائش اور پیداوار بڑھادیتے ہیں اور جس چیز کی جتنی ضرورت کم ہوتی ہے تو اس کی پیداوار بھی اتنی ہی کم ہو جاتی ہے۔

آپ پوری دنیا کا سروے کریں اچھی طرح جائزہ لیں کہ جن ممالک میں قربانی کے اس عظیم الشان حکم پر عمل کیا جاتا ہے۔ کیا اُن ممالک میں قربانی والے جانور ناپید ہو چکے ہیں یا پہلے سے بھی زیادہ موجود ہیں؟ آپ کبھی اور کہیں سے بھی یہ نہیں سنیں گے کہ دنیا سے حلال جانور ختم ہو گئے ہیں یا اتنے کم ہو گئے ہیں کہ لوگوں کو قربانی کے لیے جانور ہی میسر نہیں آئے؛ جب کہ اس کے برخلاف کتے اور بلیوں کو دیکھ لیں، اُن کی نسل ممالک میں کتنی ہے؟ حالانکہ تعجب والی بات یہ ہے، کہ کتے اور بلیلاں ایک ایک حمل سے چار چار پانچ پانچ بچے جنتے ہیں، لیکن ان کی تعداد مقابل حلال جانوروں کے بہت کم نظر آتی ہے۔

ویسے ہمیں حیرانگی ہوتی ہے کہ عید الاضحیٰ کے علاوہ بھی ہر روز پوری دنیا میں قصائی حضرات لاکھوں جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، یہاں پر ملحدین کبھی بھی اعتراض نہیں کرتے (اور نہ ہی انہوں نے بائیکاٹ کیا کہ ہم کبھی بھی حلال جانوروں کی گوشت نہیں کھاتے۔) ہاں جب حکم شرعی آیا کہ قربانی کی جائے تو انہیں جانوروں کے نسل کشی اور غرباء کے ساتھ ہمدردی کی فکر لاحق ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حبِّ علی نہیں ہے بلکہ بغض معاویہ ہے ان کو نہ غرباء کی فکر ہے اور نہ ہی جانوروں کی نسل کشی کا، صرف اور صرف قربانی کے ساتھ چھڑ اور بغض ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا ابوحمزہ محمد ذیشان یوسف چنیوٹی صاحب حفظہ اللہ (قسط:۲)

الافشاء لمکر ناقد الاعلاء

(اعلاء السنن پر کی گئی تنقید کی حقیقت)

اعلاء السنن فی المیزان میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ قواعد میں سے پہلا قاعدہ

مسند احمد کی روایات

کل ما فی "مسند احمد" فهو مقبول فان الضعيف الذى فيه يقرب من الحسن

ترجمہ: مسند احمد کی تمام احادیث مقبول ہیں کیونکہ جو اس میں ضعیف ہے وہ حسن کے قریب ہے۔

اثری صاحب کے شبہات

1۔علامہ عثمانی نے دو جگہ اس قاعدے کو لیا ہے اور تین جگہ چھوڑ دیا ہے۔

2۔یہ قاعدہ ہی درست نہیں ہے۔

ان شبہات کی حقیقت

یہ قاعدہ دو نکات پر مشتمل ہے۔

1۔اس میں ضعیف روایات بھی ہیں۔

2۔اس کی ضعیف روایات حسن کے قریب ہیں۔

نوٹ: یہ قاعدہ مولانا کے نزدیک کلی نہیں ہے۔ اس کی وضاحت کیلئے ہم وہی عبارت پیش کرتے ہیں جو اثری صاحب اپنی کتاب کے (صفحہ ۳۵پر) پیش کرتے ہیں۔علامہ عثمانی کے متعلق لکھتے ہیں:

ایک حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاۃ رحمت اللہ علیہ کا دفاع کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ:لا شک ان الحجاج بن ارطاة ممن لا يحتج به الا اذا صرح بالتحديث والاخبار لكن اعتمدنا فى هذا الموضع على قاعدة السيوطى المذكورة فى المتن۔

ترجمہ: کوئی شک نہیں کہ حجاج بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ سے تبھی استدلال کیا جائے گا جب وہ

حدیث اور اخبار کی صراحت کریں لیکن ہمارا یہاں اعتماد علامہ سیوطی کے قاعدے پر ہے جو متن میں مذکور ہے۔

علامہ عثمانی صراحتاً فرمارہے ہیں کہ ہم نے یہاں علامہ سیوطی کے قاعدے پر اعتبار کیا ہے۔لیکن اثری صاحب اسے ہر مقام پر لاگو ہونے والا اصول بنا کر پیش کر رہے ہیں۔حالانکہ خود اثری صاحب کو اعتراف ہے کہ علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول پر بہت سی جگہ اعتماد نہیں کیا ہے۔

اب دو وضاحتیں سامنے آچکی ہیں۔

1۔جہاں استدلال کر رہے ہیں وہاں خاص کر کے کہہ رہے ہیں ہم نے یہاں استدلال کیا ہے۔

2۔جہاں اس اصول پر عمل نہیں کیا وہاں ان کا عمل اصول کے کلی نہ ہونے کی نشاندہی کر رہا ہے۔اور اثری صاحب اسے جانتے اور مانتے بھی ہیں۔

مزید وضاحت

اثری صاحب نے قواعد فی علوم الحدیث صفحہ ۳۵۴ سے ابن تیمیہ کی عبارت ذکر کی ہے:

وليس كل ما رواه أحمد في المسند وغيره يكون حجة عنده، بل يروى ما رواه أهل العلم، وشرطه في المسند أن لا يروى عن المعروف بالكذب عنده،وان كان فيه ما هو ضعيف وشرطه فى المسند امثل من شرط ابى داؤد فى سننه ۔

ترجمہ: ایسا نہیں ہے کہ امام احمد اپنی مسند اور دیگر کتابوں میں جو بھی روایت کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک حجت ہوتا ہے بلکہ دیگر اہل علم کی طرح وہ بھی روایت کرتے ہیں (آگے تین باتیں ہیں)

1۔مسند میں امام احمد کی شرط یہ ہے کہ جو ان کے نزدیک کذب کے ساتھ معروف ہیں ان سے روایت نہیں کرتے۔

2۔مسند میں ضعیف روایات بھی ہیں۔

3۔ان کی مسند میں لگائی ہوئی شرط ابوداؤد کی سنن کی شرط سے بہتر ہے۔انتھی"

نیز اثری صاحب نے علامہ عثمانی کی قواعد فی علوم الحدیث صفحہ ۳۵۶ سے تعجیل المنفعہ کے مقدمہ سے دی ہوئی یہ عبارت بھی خود ذکر کی ہے۔

والحقّ أنّ أحاديثَه غالبُها جياد، والضعافُ منها إنما يُوردُها للمتابعات، وفيه

القليلُ من الضعاف الغرائب الافراد ۔ انتهي

ترجمہ: ''مسند احمد کی اکثر احادیث جید ہیں ان میں سے جو کمزور ہیں ان کو امام احمد متابعت کے لیے لاتے ہیں اس میں کچھ ضعیف حدیثیں وہ ہیں جو غریب اور منفرد ہیں انتھی''

علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے ہی یہ تمام عبارات دی ہیں اور اس قاعدے کو استعمال کرنے یا نہ کرنے میں انہی نکات کا لحاظ رکھا ہے ضعیف قریب بہ حسن روایت کو وہیں قبول فرمایا ہے جہاں علمی لحاظ سے اس درجے کی روایت قابل قبول ہو سکتی تھی۔ جہاں قابل قبول نہیں تھی وہاں اس اصول کو نہیں لیا۔

اثری صاحب کی چالاکی

اثری صاحب زیر بحث مسئلے میں کہیں بھی یہ وضاحت نہیں دیتے کہ یہاں کس درجے کی حدیث مقبول ہو سکتی ہے اور کس درجے کی نہیں۔ ضعیف قریب بہ حسن درجے کی روایت جہاں قابل قبول ہوتی ہے وہاں علامہ عثمانی اسے قبول کریں تو ان پر طعن کرتے ہیں۔ لیکن جہاں ضعیف قریب بہ حسن روایت قوی دلائل کے ساتھ ٹکرا رہی ہوتی ہے اور علامہ عثمانی چھوڑ دیں تو وہاں اس حدیث سے استدلال کرنے کی بچگانہ فرمائش شروع کر دیتے ہیں۔

اس نامعقولیت کا مقصد اور نتیجہ

اس غیر معقول کاروائی میں اثری صاحب مولانا عثمانی کا تضاد ثابت کرنے کے شوق میں ہیں لیکن انجام کار خود ہی متضاد بیان دیے بیٹھتے ہیں۔ ہمارا معصومانہ سوال ہے کہ اگر آپ کے نزدیک یہ اصول قابل قبول نہیں ہیں تو اسے قبول کرنے کا مطالبہ کیسا؟ اور اگر قابل قبول ہے تو طعن کیونکر؟ اور اگر اصول کو چھوڑ کر ہر حدیث کی سند پر بات کرنی ہے تو جن احادیث پر طعن کرتے ہیں انکی سند پر کلام اور جن کا مطالبہ کرتے ہیں ان کی سند سے خاموشی کیوں؟

قاعدہ لگنے کا پہلا مقام، نماز میں ہاتھ کہاں باندھنے چاہئیں؟

احناف ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو افضل اور ناف کے اوپر سینے سے نیچے ہاتھ باندھنے کو بلا کراہت جائز کہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے دلیل کے طور پر دیگر احادیث کے ساتھ مسند احمد کی ایک حدیث بھی دی ہے۔ جس میں عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی ہیں۔ انہیں لے کر اثری صاحب نے علامہ عثمانی اور اس قاعدے پر رد اور اپنی علمیت کا اظہار کیا ہے۔ چونکہ اثری صاحب نے اس حوالے سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں نقل کی تھیں۔ لہذا ہم بھی

امام احمد ہی کی بات ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ اس مسئلے میں امام احمد اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہما دونوں حضرات نے اس حدیث، حدیث علی رضی اللہ عنہ سے استدلال فرمایا ہے جس میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اور سند میں عبد الرحمن بن اسحاق کوفی ہیں۔ اثری صاحب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کو ماننا تو درکنار اس حدیث پر ان کی جرح ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ حالانکہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمایا ہے کہ امام احمد نے اس سے دلیل پکڑی ہے شرح عمدۃ الفقہ صفۃ الصلاۃ صفحہ ٦٧ پر فرماتے ہیں:

رواه أحمد و أبوداود و الدارقطني عن أبي جحيفة قال: قال علي رضي اللّٰه عنه: إنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْع الأَكُفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ ، و يذكر ذلك من حديث ابن مسعودٍ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، وقد احتج به الإمام احمد

ترجمہ: یہ حدیث امام احمد امام ابو داؤد دار قطنی نے ابو جحیفہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ اور اس میں ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی مرفوع حدیث ذکر کی جاتی ہے اور امام احمد نے اس سے دلیل بھی پکڑی ہے۔ انتھی

نیز خود امام احمد رحمہ اللہ نے اسکے متعلق فرمایا ہے الصحيح حديث علي دیکھیۓ الجامع لعلوم احمد 14 / 234 اور بدائع الفوائد 3 / 91۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے وضاحت دینے کے بعد مسئلے کو پوری تحقیق کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

مسئلے کی فقہی حیثیت

امام ترمذی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے بعض کی رائے ہے کہ ہاتھ ناف سے اوپر باندھے جائیں اور بعض کی رائے ہے کہ ناف کے نیچے باندھے جائیں ان اہل علم کے نزدیک اس سب کی گنجائش ہے (ترمذی حدیث نمبر ۲۵۲) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام صراحتاً اجماع مرکب پر دلالت کرتا ہے یعنی تمام اہل علم یا تو ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے کے قائل تھے یا ناف سے اوپر؛ سینے پر ہاتھ باندھنے کا اسلاف میں سے کوئی قائل نہیں تھا۔

جن اہل علم نے اسے اجماع قرار دیا ہے

ا: شیخ محمد بن ابراہیم نے اسے اجماع کا صیغہ شمار فرمایا ہے اپنے فتاوی کی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ پر فرماتے ہیں:

سبق نقل الاجماع عن الترمذی فی ہذہ المسئلة

ترجمہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں اجماع نقل کیا ہے۔

الآراء الفقهية المعاصرة فی العبادات المحكوم عليها بالشذوذ کے مصنف نے مزید تین اہل علم سے بھی اجماع کا مدعا نقل کیا ہے۔

۲: مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ

۳: مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

۴: الدکتور ماهر الفحل

لکھتے ہیں:

قال السهارنفوري: انحصر الوضع في هيئتين: تحت الصدر، وتحت السرة، ولم يوجد على ما قال الشوكاني مذهب من مذاهب المسلمين أن يكون الوضع على الصدر، فقول الوضع على الصدر قول خارج من مذاهب المسلمين، وخارق لإجماعهم المركب

(بذل المجہود ۴/۴۸۵)

ترجمہ: سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاتھ رکھنا دو ھیئتوں میں منحصر ہے ناف کے نیچے اور سینے کے نیچے۔ اور شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھے جائیں۔ اہل اسلام میں سے کوئی مذہب بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ لہذا سینے پر ہاتھ رکھنے کا قول مسلمانوں کے مذاہب سے خارج ہے۔ اور ان کے اجماع مرکب کی خلاف ورزی ہے۔

قال أنور شاه الكشميرى: عن الوضع على الصدر: لم يعمل به أحدٌ من السلف، ولا ذهب إليه أحد من الأئمة

(فيض البارى على صحيح البخارى ۲/۳۰۳)

ترجمہ: اور امام انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کو نہ تو اسلاف میں سے کسی نے معمول بنایا ہے نہ ہی ائمہ میں سے کسی نے اس کو مذہب بنایا ہے۔

وقال الدكتور ماهر الفحل: لم أجد نقلاً قوياً عن أحد من السلف يقول بوضع

اليد اليمنى على اليسرى على الصدر; فهي زيادة أيضاً مخالفة بعدم عمل أهل العِلْم بِهَا

(اثر اختلاف الاسانيد والمتون فى اختلاف الفقهاء ٣٨٢)

ترجمہ: میرے پاس اسلاف میں سے کسی کی قوی نقل نہیں ہے کہ وہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر باندھنے کے قائل ہوں تو یہ زیادتی اہل علم کا معمول نہ ہونے کی وجہ سے مخالف ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کو صرف دو جگہ ہاتھ رکھنے کا قائل بتاتے ہیں۔

۱: ناف سے اوپر

۲: ناف سے نیچے

عین یہی رائے احناف حضرات کی ہے۔ ناف سے تھوڑا اوپر اور تھوڑا نیچے دونوں طرح ہاتھ باندھنے کی گنجائش ہے۔ جبکہ نیچے باندھنا قوت حدیث اور اقرب الی التواضع ہونے کی وجہ سے افضل ہے۔

امام الحدیث والفقہ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی

قال إسحاق: تحت السرة أقوى في الحديث، وأقرب الى التواضع

ترجمہ: امام اسحاق رحمت اللہ علیہ نے فرمایا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا حدیث کے اعتبار سے زیادہ قوی اور تواضع کے زیادہ قریب ہے۔

مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه برواية الكوسج (٢ /٥٥١-٥٥٢)، الأوسط (٣/٩٤)، وهذا سياق الكلام والسؤال قال الكوسج: (قلت: إذا وضع يمينه على شماله أين يضعهما؟ قال أحمد: فوق السرة وتحته، كل هذا ليس بذاك،قال إسحاق: كما قال، تحت السرة أقوى في الحديث وأقرب إلى التواضع)

اب ہم ناف سے نیچے یا اوپر ہاتھ رکھنے اور نیچے کے افضل ہونے کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین اور چاروں ائمہ مجتہدین کے حوالے سے دلائل نقل کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

حدیث نمبر ۱:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُمَيْرٍ ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ ، عَنْ أَبِيهِ ،

قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ

[(مصنف ابن ابی شیبة **جلد ۳ صفحہ ۳۲۱-۳۲۲**،وضع الیمین علی الشمال،رقم الحدیث **۳۹۵۹**)سند صحیح]

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔

رواۃ حدیث

۱:وکیع ثقہ ثبت

۲:موسیٰ بن عمیر ثقہ

مُوسَى بْنُ عُمَيْرٍ كُوفِيٌّ ثِقَةٌ المعرفة والتاريخ (۳/۱۲۱)

وسئل عن موسى بن عمير؟ وأنا شاهد، فقال: لا بأس به. فقلت له: تقول هذا في موسى بن عمير، وقد روى عن الحكم ما روى؟ قال: ليس ذاك أعني، إنما أعني الذي روى عنه وكيع ويحدث عن علقمة بن وائل، وهو لا بأس به.

سؤالات البرذعي لأبي زرعة الرازي (۲/۵۳۲)

علقمه بن وائل۔ ثقه الثقات للعجلي (۲/۱۴۸)

مُوسَى بْن عُمَير، العَنبَرِيُّ، التَّمِيمِيُّ، كُوفيٌّ. سمِعَ عَلقَمة بْن وائل، والحَكَم بْن عُتَيبَة.رَوَى عَنه: وكِيع، وأَبُو نُعَيم التاريخ الكبير للبخاري (۷/۲۸۸)

۳: عَلْقَمَة بن وَائِل بن حجر الْحَضْرَمِيّ كوفى تَابِعِيّ ثِقَة

(قال محقق شعيب الارنؤوط) ثَبَت سماعُه في غير ما حديثٍ عن أبيه، كما هو مبيّن في تعليقنا على السير ۲/ ۵۷۳-۵۷۴۔

نیز قرۃ العینین برفع الیدین فی الصلاۃ **حدیث نمبر ۱۰** میں ان کی اپنے والد سے سماع کی صراحت ہے حدثنی ابی کہا ہے۔

۴:وائل بن حجر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور کوفی ہیں۔ شہر والے عموما اپنی حدیث سے دوسروں سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ بعض نسخوں میں تحت السرۃ کا لفظ نہیں ملتا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے والے محدثین کوفی ہیں۔ اس حدیث کی بنا پر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو ترجیح دینے والے فقہاء بھی کوفی ہیں۔ لہذا جنہیں تحت السرۃ کا لفظ نہیں ملتا وہ جواب دہ ہیں کہ کہاں اڑایا ہے نہ کہ کوفہ کے فقہاء و محدثین!!!

مزید تسلی کے لیے مولانا الیاس گھمن صاحب نے قوی دلائل کے ساتھ تین چار نسخوں میں تحت السرۃ کا لفظ ہونا واضح کیا ہے۔ (دیکھیے مولانا کی کتاب نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔ احادیث مرفوعہ حدیث نمبر ۱)

حدیث نمبر ۲:

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ: قَالَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ الْاَنْبِیَاءِ (صَلَوَاتُ اللہِ وَسَلَامُہُ عَلَیْھِمْ) تَعْجِیْلُ الْاِفْطَار وَ تَاخِیْرُ السُّحُوْر وَوَضَعُ الْکَفِّ عَلَی الْکَفِّ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔

الرواۃ کلھم ثقات من اھل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زید رحمہ اللہ عن ابیہ(علی زین العابدین رحمہ اللہ) عن جدہ (حسین رضی اللہ عنہ)عن علی رضی اللہ عنہ

(مسند زید بن علی ص: ص **۲۱۹** باب الافطار. رقم الحدیث ۳۰۰)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہ السلام کے اخلاق میں سے ہیں: (۱) روزہ جلدی افطار کرنا، (۲) سحری دیر سے کرنا اور (۳) نماز میں (دائیں) ہتھیلی کو (بائیں) ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا۔ الحدیث صحیح

رواۃ حدیث

۱۔زید بن علی ثقۃ تقریب التھذیب

۲۔سیدنا علی زین العابدین من رواۃ بخاری مسلم متفق علیہ ثقہ ثبت

یہ جلیل القدر تابعی ہیں سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدہ عائشہ، حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، حضرت مسور اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کے شاگرد ہیں۔ امام زہری، یحیی بن سعید اور طاؤس رحمھم اللہ جیسے استاد حدیث ان کے

شاگرد تھے۔ زہری فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔ ابو حازم الاعرج فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ہاشمی کو ان سے افضل نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ للذھبی ج ۱ ص ۶۰)

تیسرے راوی سیدنا حسین رضی اللہ تعالی عنہ، چوتھے راوی سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ سند بالکل صحیح ہے۔

اعتراض:

اس پر بعض حضرات یہ شبہ ڈالتے ہیں کہ یہ شیعوں کی کتاب ہے۔

جواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے یہ مستند اور ثقہ افراد عقیدے اور عمل کے اعتبار سے اہلسنت تھے۔ زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں اسی ایک حدیث میں دیکھیئے کہ یہ تین عمل، افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اہل سنت کے ہاں کس قدر معمول بہا اور شیعہ ان سے کس قدر دور ہیں۔ (مولانا گھمن صاحب نے بہت سے شواہد پیش کئے ہیں۔ دیکھئے نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا)

حدیث نمبر3:

حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ السُّوَائِيِّ ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ ، عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ: مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ وَضْعُ الْأَيْدِي عَلَى الْأَيْدِي تَحْتَ السُّرَرِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۲۴ ،وضع الیمین علی الشمال، رقم الحدیث ۳۹۶۶)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (دائیں) ہاتھوں کو (بائیں) ہاتھوں پر ناف کے نیچے رکھنا نماز کی سنت ہے۔

یہ حدیث علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داؤد کے حوالے سے ذکر کی ہے۔ اور اسی پر اثری صاحب نے شبہات ڈالے ہیں۔

شبہ: کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن اسحاق الکوفی ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب نمبر ا: درج ذیل ائمہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو دلیل ہے کہ یہ روایت مقبول ہے۔

ا: امام اسحاق بن راہویہ م ۲۳۸ھ (الاوسط لابن المنذر ج ۳ ص ۹۴) (امام اسحاق بن راہویہ نے نہ صرف یہ کہ اسے دلیل بنایا ہے بلکہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کو اقوی فی الحدیث کہا ہے۔

(مسائل الامام احمد و اسحاق بن راہویہ بروایۃ الکوسج ج۲ص۵۵۱)

۲:امام احمد بن حنبل م۲۴۱ھ (مسائل احمد بروایۃ ابی داود ص ۳۱)

۳:امام ابو جعفر الطحاوی م۳۲۱ھ (احکام القرآن للطحاوی ج ا ص ۱۸۷)

۴:ضیاء الدین المقدسی م۶۴۳ھ (الاحادیث المختارہ ج۳ص۳۸۶-۳۸۷)

۵:علامہ ابن القیم م۷۵۱ھ (بدائع الفوائد:ج۳ص ۷۳)

جواب نمبر۲: اثری صاحب عبد الرحمٰن بن اسحاق پر جرح تو نقل کرتے ہیں لیکن جن محدثین نے ان کی تعدیل وتوثیق کی ہے ان کا ذکر تو در کنار اسے ظلمات بعضھا فوق بعض کہتے ہیں۔

لیجئے ان کی تعدیل پیش خدمت ہے:

ا:امام احمد بن حنبل:صالح الحدیث کہ روایت میں اچھا ہے۔(مسائل احمد بروایۃ ابی داؤد ص ۳۱)

(امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا مذہب ناف کے نیچے ہاتھ رکھنا ہے۔ اس لیے غالب گمان ہے کہ امام احمد کی تعدیل والی روایت مؤخر ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمایا ہے کہ امام احمد نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔ فرماتے ہیں:

رواه أحمد وأبو داود والدارقطني عن أبي جحيفة قال: قال علي رضي الله عنه: إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعَ الأَكُفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ،ويذكر ذلك من حديث ابن مسعودٍ عن النبي صلى الله عليه وسلم، وقد احتج به الإمام أحمد (شرح عمدة الفقه ابن تيمية صفة الصلاة ص ٦٧)

یاد رہے کہ اثری صاحب نے صالح الحدیث کو الفاظِ تعدیل میں شمار کیا ہے لکھتے ہیں:

> جب حدیث میں صلاحیت کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے حدیث سے مقید کرتے ہیں یعنی صالح الحدیث کہتے ہیں۔(صفحہ ۱۵۵)

۲:امام عجلی: آپ نے اس راوی کو ثقات میں شمار کیا ہے۔(معرفۃ الثقات ج ۲ص ۷۲)

۳:امام ترمذی:اس کی حدیث کو حسن کہا۔(سنن الترمذی رقم ۳۵۶۳)

۴:امام مقدسی:اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔(الاحادیث المختارۃ:ج۳صفحہ ۳۸۷،۳۸۶)

۵:امام بزار:صالح الحدیث. کہ روایت میں اچھا ہے۔(مسند بزار تحت حدیث رقم ۶۹۶)

یاد رہے کہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی پر جرح بھی ہو اور محدثین نے اس کی تعدیل وتوثیق بھی کی ہو تو اس کی حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے۔(تدریب الراوی ص ۱۱۳) تو اصولی طور پر یہ راوی حسن الحدیث

درجے کا ہے، ضعیف نہیں۔ لہذا اس روایت سے استدلال کرنا درست ہے۔ نیز اوپر پیش کی گئی دو صحیح روایات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

حدیث نمبر 4:

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مِنْ أَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيْلُ الْإِفْطَار وَتَأْخِيْرُ السُّحُوْر وَوَضْعُكَ يَمِيْنَكَ عَلٰى شِمَالِكَ فِي الصَّلَاةِ تحت السُّرَّةِ.

(مختصر خلافیات البیہقی لاحمد بن الفرْح: ج۲ ص۳۴، الجوہر النقی علی البیہقی: ج۲ ص۳۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اخلاق میں سے یہ چیزیں ہیں؛ روزہ جلدی افطار کرنا، سحری دیر سے کرنا اور نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

شبہ: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس روایت کا ایک راوی سعید بن زَرْبی مجروح ہے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب: اولاً: سعید بن زَرْبی پر کلام کیا گیا ہے لیکن شاہد اور مؤیدات کی بناء پر یہ روایت قابل قبول شمار ہوگی۔

شاہد: عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَالَ ثَلَاثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ الْاَنْبِيَاءِ- صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِم- تَعْجِيْلُ الْإِفْطَار وَتَاخِيْرُ السُّحُوْر وَوَضَعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ

(مسند زید بن علی ص: ص۲۱۹ باب الافطار. رقم الحدیث۳۰۰)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہ السلام کے اخلاق میں سے ہیں: (۱) روزہ جلدی افطار کرنا، (۲) سحری دیر سے کرنا اور (۳) نماز میں (دائیں) ہتھیلی کو (بائیں) ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا۔

ثانیاً۔ اس روایت کی معنوی تائید حدیثِ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے۔

ثالثاً۔ جامع الترمذی کی ایک روایت کو ناصر الدین البانی صاحب غیر مقلد نے صحیح قرار دیا ہے اور اس میں یہی سعید بن زربی موجود ہے۔ (دیکھیے جامع الترمذی باحکام الالبانی: رقم۳۵۴۴، باب خلق اللّٰہ ماتہ رحمة)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت مؤیدات اور شاہد کی بناء پر صحیح ہے۔ وللّٰہ الحمد

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَاقَ الْكُوفِيِّ

عَنْ سَيَّارٍ أَبِي الْحَكَمِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَخْذُ الأَكُفِّ عَلَى الأَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ.

(سنن ابی داود ج۱ ص۱۱۷، التمہید لابن عبد البر: ج۸ ص ۱۶۴)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نماز میں (دائیں) ہتھیلیوں سے (بائیں) ہتھیلیوں کو پکڑ کر ناف کے نیچے رکھنا چاہیے۔

علامہ ابن حزم سے اس اثر کی تائید:

فرماتے ہیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف سے نیچے رکھنا ہوتا ہے۔ اور انس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ تین چیزیں نبیوں کے اخلاق میں سے ہیں افطاری جلدی کرنا سحری دیر سے کرنا دائیں ہاتھ کو بائیں پر نماز میں ناف کے نیچے رکھنا۔

(ذکرہ ابن حزم تعلیقا فی المحلی ۴/۱۱۳)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی صراحت گزر چکی ہے کہ وہ اسے سنت مانتے تھے۔

عمل تابعین

۱۔حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ رَبِيعٍ ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ ، عَنْ إبْرَاهِيمَ ، قَالَ : يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

(ابن ابی شیبہ حدیث نمبر: ۳۹۶۰۲)

ترجمہ: نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے گا۔

۲۔حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ حَسَّانَ ، قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا مِجْلَزٍ ، أَوْ سَأَلْتُهُ قَالَ :قُلْتُ : كَيْفَ يضعُ ؟ قَالَ : يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّ يَمِينِهِ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ ، وَيَجْعَلُهَا أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ

ترجمہ: حضرت حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے ابو مجلز سے سوال کیا کہ نمازی ہاتھ کہاں رکھے؟ انھوں نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے پچھلے حصے پر رکھے اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔اسنادہ صحیح

۳۔أَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا

يَحْيَى بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَنَا زَيْدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ: أَمَرَنِي عَطَاءٌ أَنْ أَسْأَلَ سَعِيدًا أَيْنَ تَكُونُ الْيَدَانِ فِي الصَّلَاةِ؟ فَوْقَ السُّرَّةِ أَوْ أَسْفَلَ مِنَ السُّرَّةِ؟ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: فَوْقَ السُّرَّةِ- يَعْنِي بِهِ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ

ترجمہ: ابوزبیر فرماتے ہیں مجھے عطاء رحمت اللہ علیہ نے حکم دیا کہ میں سعید (بن جبیر) رحمت اللہ علیہ سے پوچھوں کہ نماز میں ہاتھ کہاں ہونے چاہئیں، ناف کے اوپر یا ناف سے نیچے؟ میں نے ان سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: ناف کے اوپر۔

(سنن کبریٰ للبیہقی (ح ۲۳۴۰) اسنادہ حسن)

ائمہ کا عمل، ناف سے نیچے کے قائلین

امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ شوافع میں سے ابو اسحق المروزی اور ایک شاذ روایت خود امام شافعی سے بھی ناف سے نیچے کی ہے۔ قال النووي في روضة الطالبين (۱/۲۳۲) (ثم يضع يديه كما ذكرنا تحت صدره وفوق سرته على الصحيح. وعلى الشاذ: تحت سرته)

ناف سے اوپر سینے سے نیچے باندھنے کے قائلین

امام شافعی اور ایک نادر روایت کے مطابق امام مالک اور امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے ناقلین صراحتاً سینے سے نیچے کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ حنابلہ تو امام احمدؒ سے سینے پر ہاتھ باندھنا مکروہ ہونا نقل کرتے ہیں۔ ہم مذاہب کی تفصیلات معتبر کتب اور معتبر ناقلین کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

نماز میں ہاتھوں کو ناف سے اوپر سینے سے نیچے رکھنا سنت ہے۔ نقل مذہب میں جس بات پر علامہ رافعی اور علامہ نووی رحمہما اللہ متفق ہوں شافعیہ کے نزدیک وہ بات انتہائی معتبر ہوتی ہے۔

قال ابن حجر الهيثمي في تحفة المحتاج (۱/۳۹): (الذي أطبق عليه محققوا المتأخرين ولم تزل مشايخنا يوصون به وينقلونه عن مشايخهم وهم عمن قبلهم وهكذا، أن المعتمد ما اتفقا عليه)

ترجمہ: ابن حجر الہیثمی نے تحفۃ المحتاج جلد ایک صفحہ 39 پر فرمایا ہے: اس بات پر محقق متاخرین کا اتفاق بھی ہے اور ہمارے مشائخ خود کہتے اور اپنے مشائخ سے اور ان کے مشائخ اپنے مشائخ سے آگے تک نقل کرتے آئے ہیں کہ جس بات پر رافعی اور نووی کا اتفاق ہو جائے وہی قابل اعتماد ہوتی ہے۔

لہذا ہم انہی دو بزرگوں کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں۔

قال الرافعي: (ثم يضع يديه كما ذكرنا تحت صدره وفوق سرته)

[الشرح الكبير للرافعي (٣/٢٨١)]

ترجمہ: رافعی کہتے ہیں پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے ناف سے اوپر سینے سے نیچے رکھے۔

وقال النووي: (ويجعلهما تحت صدره وفوق سرته هذا هو الصحيح المنصوص)

[المجموع شرح المهذب (٣/٣١٠)]

ترجمہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سینے کے نیچے ناف کے اوپر رکھے یہی صحیح ہے۔

چند مزید حوالے

قال الشافعي: (ويأخذ كوعه الأيسر بكفه اليمنى ويجعلها تحت صدره)مختصر المزني (8/ 107)، وانظر: الحاوي الكبير (2/ 99)

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بائیں کلائی کو دائیں ہاتھ سے پکڑے اور سینے سے نیچے رکھے۔

قال النووي في روضة الطالبين (1/ 232) (ثم يضع يديه كما ذكرنا تحت صدره وفوق سرته على الصحيح. وعلى الشاذ: تحت سرته)

ترجمہ: پھر اپنے ہاتھوں کو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے سینے کے نیچے اور ناف کے اوپر رکھے صحیح قول کے مطابق اور ایک شاذ قول کے مطابق ناف سے نیچے۔

فَإِذَا ثَبَتَ وَضْعُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى فَمِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَضَعَهَا تَحْتَ صَدْرِهِ

الحاوي الكبير (2/ 100)

جب دائیں کو بائیں پر رکھنا ثابت ہے تو پھر سنت ہے کہ سینے سے نیچے رکھے۔

(یعنی دائیں ہاتھ کو بائیں پر سینے پر رکھیں تو بتکلف ہاتھ ٹیڑھے کرنے پڑتے ہیں۔ یہ تو متقدم اہل علم کی تحقیق ہے۔

اور ہر شخص کر کے آزما سکتا ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر سینے پر رکھیں تو بتکلف ہاتھ ٹیڑھے کرنے پڑتے ہیں جبکہ البانی اور سنابلی صاحبان کی مضحکہ خیز تحقیق یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھیں گے تو وہ خود بخود سینے پر آجائیں گے)۔ امام بیہقی اپنی کتاب خلافیات میں فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے سے نیچے ناف سے اوپر رکھے۔

ایک انتہائی قابل توجہ پہلو

شوافع حضرات اپنی دلیل کے طور پر ابن خزیمہ کی وہی روایت پیش کرتے ہیں جو غیر مقلدین حضرات سینے پر ہاتھ رکھنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔

قال النووي: (احتج أصحابنا بحديث وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره رواه أبو بكر بن خزيمة في صحيحه)

[المجموع (۳/۳۱۳)]

ترجمہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب نے وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا۔

قال الدميري: (وعبارة الأصحاب: تحت صدره، فكأنهم جعلوا التفاوت بينهما يسيرًا)،

[النجم الوهاج في شرح المنهاج (۲/۱۸۰)]

ترجمہ: دمیری فرماتے ہیں ہمارے ساتھیوں کا کہنا ہے سینے کے نیچے گویا کہ انہوں نے اس کے درمیان تھوڑا سا فرق سمجھا ہے۔

وقال زكريا الأنصاري: على صدره أي آخره فتكون اليد تحته

[أسنى المطالب (۱/۱۴۵)]

ترجمہ: زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سینے پر (ہاتھ رکھے) یعنی سینے کے آخر میں لہذا ہاتھ سینے سے نیچے ہوں گے۔ (یعنی ان حضرات نے علی صدرہ کا معنی عین سینہ نہیں بلکہ سینے کا قرب لیا ہے جیسا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ احتمال ذکر کیا ہے۔ (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان آگے آئے گا)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

قال المرداوي: قوله (و يجعلهما تحت سرته) هذا المذهب، وعليه جماهير الأصحاب وعنه يجعلهما تحت صدره، وعنه يخير الإنصاف (٢/٤٦)

ترجمہ: مرداوی فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے۔یہی مذہب ہے اور اسی پر جمہور حنابلہ ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سینے کے نیچے ہاتھ باندھنا بھی مروی ہے اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ناف سے نیچے اور سینے سے نیچے دونوں کا اختیار ہے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ويجعلهما تحت سُرّته، أو تحت صدره، من غير كراهة لواحد منهما. والأول أفضل في إحدى الروايات عنه، اختارها الخِرقي والقاضي وغيرهما. رواه أحمد وأبو داود والدارقطني عن أبي جحيفة قال: قال علي عليه السلام: إنّ من السنّة وضعَ الأكُفِّ على الأكفِّ تحت السرّة.ويذكر ذلك من حديث ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم ، وقد احتجّ به الإمام أحمد وروى ابن بطة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: من السنّة أن يضع يده اليمنى في الصلاة تحت السرّة. والصحابي إذا قال "السنة" انصرف إلى سنة النبي صلى الله عليه وسلم.ولأنّ ذلك أبعد عن التكفير المكروه. وفي الأخرى: تحت الصدر أفضل. اختارها طائفة من أصحابنا، لما روى جرير الضبي قال: رأيتُ عليًّا يمسك شماله بيمينه على الرسغ فوق السرّة. رواه أبوداود

ترجمہ: ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے یا سینے کے نیچے رکھے ان دو میں سے کوئی بھی مکروہ نہیں ہے۔اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق ناف کے نیچے رکھنا افضل ہے اس کو خرقی، قاضی اور دیگر حضرات نے اختیار کیا ہے۔امام احمد امام ابو داؤد اور دار قطنی رحمت اللہ علیہم نے ابو جحیفہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے رکھنا سنت میں سے ہے۔اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی مرفوع روایت میں بھی یہ ذکر کیا گیا ہے۔امام احمد نے اس سے دلیل پکڑی ہے۔اور ابن بطہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو ناف سے نیچے رکھے۔

اور صحابی جب سنت کہیں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہوتی ہے۔ نیز یہ مکروہ تکفیر سے بھی دور ہے (تکفیر کا ذکر آگے آرہا ہے) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت کے مطابق سینے کے نیچے رکھنا افضل ہے ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ جریر الضبی نے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کے گٹے پر ناف کے اوپر رکھا ہوا تھا (رواہ ابوداؤد)

حنابلہ کی کسی قابل ذکر کتاب کے اندر سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں ملتا، بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سینے پر ہاتھ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فأما وضعهما على الصدر، فيكره، نص عليه، وذكر عن أبي أيوب عن أبي معشر قال: يكره التكفير في الصلاة، وقال التكفير: يضع يمينه عند صدره في الصلاة. وما روى من الآثار عن الوضع على الصدر، فلعله محمول على مقاربته)

(شرح عمدة الفقه-ابن تيمية٢/٦٦٢)

ترجمہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہاتھوں کو سینے پر رکھنا مکروہ ہے۔ امام احمد نے صراحتاً کہا ہے۔ اور انہوں نے ابو ایوب سے ابو ایوب نے ابو معشر سے یہ ذکر کیا ہے کہ نماز میں تکفیر مکروہ ہے اور فرمایا تکفیر یہ ہے کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو نماز میں سینے کے پاس رکھے۔ اور احادیث مبارکہ میں جو سینے پر رکھنا آیا ہے شاید وہ سینے کے قرب پر محمول ہے۔

امام احمد کے شاگرد امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی گواہی

قال أبوداود: (سمعته يقول: يكره أن يكون، يعني: وضع اليدين عند الصدر

(المسائل صفحه ٤٨)

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسا ہونا یعنی ہاتھوں کا سینے پر ہونا مکروہ ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول تو ارسال کا ہے۔ اور جو ہاتھ باندھنے کا قول ہے اس کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

وَقَالَ الْقَاضِي أَبُو مُحَمَّدٍ الْمَذْهَبُ وَضْعُهُمَا تَحْتَ الصَّدْرِ وَفَوْقَ السُّرَّةِ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيّ

ترجمہ: قاضی ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا معتبر مذہب دونوں ہاتھوں کو سینے سے نیچے ناف سے اوپر رکھنا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

قاضی عیاض مالکی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقيل: فوق السُّرّة، وهو مذهبنا

(إكمال المعلم بفوائد مسلم ۲/۲۹۱)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے ناف سے اوپر ہاتھ رکھے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

جبکہ اس کے برعکس مصنف اور ان کے اہل فرقہ سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت کرنے کے درپے ہیں اس اجماع مرکب کی مخالفت کے لیے انہیں صحیح صریح حدیث، صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے عمل کا جواب، اور ائمہ اربعہ سے زیادہ علم درکار ہے۔ لیکن یہ حضرات مؤمل بن اسماعیل کے تفرد اور الفاظ کی ہیرا پھیری کے علاوہ دیگر دلائل سے تہی دامن ہیں۔ اب صحیح صریح حدیث، صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے اہل علم کی مخالفت کرنا بھی ان کی اپنی غلطی ہے اور مسئلے کی حیثیت کے مطابق دلائل فراہم نہ کرپانا بھی انہی کی غلطی ہے۔ لیکن غصہ نکال رہے ہیں بیچارے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پر اور سہارا لے رہے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا جو خود ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل اور حدیث علی کو صحیح کہتے ہیں۔ اسلاف سے تو یہ عمل ثابت ہے نہیں جو ثابت کرنے کے شوقین ہیں ان کے دلائل دیکھیں کہ کن دلائل کے سہارے احادیث و آثار اور اسلاف امت کی مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ مضحکہ خیز کاروائی علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اور کفایت اللہ سنابلی کی ہے۔ یہ حضرات دلیل کے طور پر وہ احادیث پیش کرتے ہیں کہ خوردبین لگا کر بھی دیکھا جائے تو سینے پر ہاتھ باندھنے کا نہ اشارہ نظر آتا ہے نہ الفاظ!!! اب قاری کو تعجب ہوتا ہے تو وضاحت کرتے ہوئے جب یہ ہاتھوں کا سٹیرنگ پکڑ کر گھما کر کہتے ہیں: آ گئے ناں ہاتھ سینے پر!!! تو بے اختیار ہنسی نکل جاتی ہے۔ اپنی علمی حیثیت کا یوں جنازہ نکالنے کے بعد مزید اپنی وضاحت کرنے کے لیے وہی مؤمل بن اسماعیل کی شاذ روایت، طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل روایت (جو ان کے نزدیک حجت ہی نہیں) اور دیگر ایسی باتیں لاتے ہیں جو ہماری ذکر کردہ دو صحیح اور دو حسن احادیث، صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے عمل اور اہل سنت کے ائمہ کے فہم کے مقابلے میں پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔

اب ہم اثری صاحب کی پیش کردہ روایت کا جائزہ لیتے ہیں صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں:

”مسند میں نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حضرت ھلب رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس میں سماک منفرد ہے۔“

مسند میں حضرت ھلب رضی اللہ تعالی عنہ کی جو روایت ہے اس پر علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایسا دندان شکن جواب دیا کہ جناب کی عقل ہی چکرا گئی اور سامنے پڑی کتاب میں سے مفتی تقی عثمانی صاحب کے حاشیہ کو علامہ عثمانی کی طرف منسوب کر دیا۔ اعلاء السنن کھول کر دیکھ لیجئے جس عبارت پر انہوں نے اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے سماک منفرد ہے اور اسے متعدد ائمہ نے کمزور کہا ہے۔ یہ حاشیہ مفتی تقی عثمانی میں ملے گی نہ کہ علامہ عثمانی کی عبارت میں۔

علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کا تسلی بخش محدثانہ جواب

واحتجوا ايضا بحديث قبيصة بن هلب عن ابيه قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينصرف عن يمينه وعن يساره ورايته يضع هذه على صدره و وصف يحيى "اليمنى على اليسرى فوق المفصل" رواه الامام احمد في مسنده كما في "عون المعبود" وفيه ان تفسير يحيى لا ينطبق على لفظ الحديث كما سياتي قال في "التعليق الحسن" ويقع في قلبي ان هذا تصحيف من الكاتب والصحيح يضع هذه على هذه فيناسبه قوله وصف يحيى اليمنى على اليسرى فوق المفصل ويوافقه سائر الروايات ولعل هذا الوجه لم يخرجه الهيثمي في مجمع الزوائد والسيوطي في جمع الجوامع وعلي المتقي في كنزالعمال والله اعلم بالصواب (التعليق الحسن صفحه ١٠٨) قلت يؤيد ذلك ان احمد رواه من طريق سفيان مرة وفيه "رايت النبي صلى الله عليه وسلم واضعا يمينه على شماله في الصلاة" ورواه من طريق شريك مرة ولفظه "رايته يضع احدى يديه على الاخرى" ورواه عنه كذلك ثانيا روى الدار قطني من طريق عبد الرحمن بن مهدي و وكيع عن سفيان عن سماك بن حرب عن قبيصة بن هلب عن ابيه قال "رايت النبي صلى الله عليه وسلم واضعا يمينه على شماله في الصلاة" ليس فيه على صدره واخرج الترمذي وابن ماجه واحمد رحمة الله عليهم من طريق ابي الاحوص عن سماك بن حرب عن قبيصة عن ابيه قال "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فياخذ شماله بيمينه"

(التعليق الحسن)

ترجمہ۔ سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائلین نے حضرت ھلب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ حضرت ھلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ دائیں بائیں (سلام پھیرنے کے لیے) منہ پھیرتے تھے۔ اور میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہاتھ سینے پر رکھتے تھے۔ اور یحیی رحمۃ اللہ علیہ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ کر کیفیت بیان کی۔ اور اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ حدیث کے ان الفاظ پر یحیی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح صادق ہی نہیں آتی جیسا کہ ذکر کیا جائے گا۔ علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے التعلیق الحسن میں فرمایاہے میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ یہ لکھنے والے کی غلطی ہے۔ اور درست لفظ ھذہ علی ھذہ (یہ ہاتھ اس ہاتھ پر) ہے۔

(کیونکہ ھذہ سے ایک ہاتھ مراد ہو سکتاہے نہ کہ دو جب کہ نماز پڑھتے وقت دونوں ہاتھ رکھے جاتے ہیں نہ کہ ایک) راوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان کہ یحیی رحمۃ اللہ علیہ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ کر کیفیت بیان کی تب ہی صادق آئے گا (کیونکہ تشریح میں دو ہاتھوں کا ذکر ہے اور حدیث کے الفاظ میں ایک کا) اور تمام روایات اس کی موافقت کرتی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نہ تو اس کو علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں نقل کیاہے، نہ امام سیوطی نے جمع الجوامع میں، نہ علی المتقی نے کنز العمال میں، واللہ اعلم بالصواب میں کہتاہوں اس بات کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام سفیان ثوری کے ایک اور طریق سے نقل کیاہے۔

رایت النبي صلی اللہ علیہ وسلم واضعا یمینه علی شماله في الصلاة

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے دیکھا۔

اور ایک دفعہ شریک رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے روایت کیاہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"رایته یضعها احدی یدیه علی الاخری"

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھے ہوئے دیکھا۔

اور شریک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور طریق سے بھی اسی طرح روایت کیا گیاہے۔

اور دار قطنی نے عبدالرحمن بن مہدی و وکیع عن سفیان عن سماك بن حرب عن قبیصۃ بن هلب عن ابیه کی سند سے روایت کی ہے فرماتے ہیں:

رایت النبي صلی اللّٰه علیه وسلم واضعا یمینه علی شماله في الصلاۃ

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے دیکھا۔

اس میں سینے پر کا لفظ نہیں ہے۔ اور ترمذی اور ابن ماجہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو الاحوص عن سماک بن حرب عن قبیصه عن ابیه کے طریق سے روایت کیا ہے

قال کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یا امنا فیاخذ شماله بیمینه

حضرت ہلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت فرماتے تھے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت:

ولیس فیه "علی صدره" ایضا فهذه قرینه ترجح ما قاله العلامة النیموي رحمه الله من احتمال التصحیف فیه ولعمری ان تفسیر یحیی یقتضي ان لفظ الحدیث في الاصل یضع هذه علی هذه کما لا یخفی علی من له ذوق باللسان انتهی

ترجمہ: اور اس میں بھی سینے پر کا ذکر نہیں ہے۔ تو دیگر روایات کا قرینہ علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو راجح کر دیتا ہے کہ اس میں غلطی کا احتمال ہے۔ اور یحیی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر تو یہی تقاضا کرتی ہے کہ اصل میں حدیث کا لفظ یضع هذه علی هذه یہ ہاتھ اس ہاتھ پر رکھتے تھے۔ یہ بات عربی زبان کا ذوق رکھنے والوں پر مخفی نہیں رہ سکتی۔ انتہی۔

یہ محققانہ بحث دیکھ کر اثری صاحب نے کوئی بھی رائے نہیں دی بلکہ بات کا رخ موڑ کر کسی اور طرف لے گئے ہیں۔ اثری صاحب کے اپنے لفظوں میں انہوں خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔

اسی طبقے کا ایک اور کردار

اسی طبقے کا ایک اور کردار آپ کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ ان حضرات کی ہر قسم کی بہادری جو یہ احادیث کے مقابلے میں دکھاتے ہیں سامنے آسکے۔ حدیث کی ایک App ہے IslamOne، اس میں حدیث پاک کے بعد

کہنے کو تو وضاحت کی جاتی ہے۔ لیکن کبھی کبھار ایسی ہوتی ہے کہ اس پر قباحت کا لفظ صادق آتا ہے۔ صاحب وضاحت بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کی زنانہ ہیئت کو پسند کرتے ہیں۔ حدیث نمبر ۲۵۲ کے تحت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے بعض اہل علم ناف سے اوپر ہاتھ رکھتے تھے اور بعض ناف کے نیچے!!!

اب ذرا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی وضاحت سنیے کیا گل کھلاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"بعض حضرات زیر ناف ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں بعض لوگ سینے پر باندھنے کے قائل ہیں۔"

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ پوری حدیث اس کا ترجمہ امام ترمذی کی تشریح حرف بہ حرف پڑھ لیں آپ کو کہیں سینے کا لفظ نہیں ملے گا پھر یہ کس چیز کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ وضاحت کرنا کن عوارض کی بنا پر تھا اس کے لیے تھوڑا آگے چلیں کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں اسی وضاحت نما قباحت میں ھلب طائی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں موجود لفظ ھذہ علی صدرہ کا ترجمہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سینے پر رکھتے تھے۔ قارئین دنیا بھر کے جس مرضی عربی دان سے پوچھیں جو مرضی لغت اٹھا کر دیکھیں لفظ ھذہ واحد کے اشارے کیلئے ملے گا نہ کہ دو ہاتھوں کیلئے۔ لیکن اس باب میں ان حضرات کے پاس دلائل کا اس قدر قحط ہے کہ ایسی حرکتوں کے بغیر ان کا گزارا نہیں۔ خود اثری صاحب اسے سینے پر ہاتھ باندھنے کی دلیل بتاتے ہیں صفحہ ۷۳ پر لکھتے ہیں:

"مسند میں نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حضرت ھلب رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کے بارے میں فرمایا گیا اس میں سماک منفرد ہے"

اس خیانت میں لت پت لوگ اگر مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود تحت السرۃ کے الفاظ کو مدرج کہیں تو یہ ان کی شان کے عین مطابق ہے اور ان کی شخصیت پر یہی جچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد آگے صاحب وضاحت لکھتے ہیں ابن ابی شیبہ کی روایت میں تحت السرۃ کا جو لفظ ہے وہ مدرج ہے، اسے جان بوجھ کر بعض مطبع جات کی طرف سے اس روایت میں داخل کر دیا گیا ہے۔

(جاری)

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ (قسط:۵)

مسئلہ تین طلاق پر مدلل و مفصل بحث

باب نمبر:۲

تین طلاقوں کے تین ہونے پہ صحابہ کرام کے آثار

مسئلہ تین طلاق کے حوالہ سے صحابہ کرام کے اقوال پڑھنے سے پہلے یہ جان لیں کہ ان کے اقوال کی حیثیت کیاہے؟

کسی نے سوال کیاکہ کیاصحابہ کا قول وفعل ہمارے لئے دلیل بن سکتاہے یانہیں؟

ابوالبرکات احمد غیر مقلد نے اس کایوں جواب دیا:

”اللہ تعالیٰ نے سبیل المومنین کی اتباع کو اہمیت دی ہے، اس کی مخالفت کو جہنم رسید ہونے کا سبب قرار دیا۔ لہٰذا جمہور صحابہ کا عمل و طریقہ ہمارے لئے سنت ہے۔ اس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ نیز نبیؐ نے خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع کا حکم دیاہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کا بھی حکم فرمایاہے۔“

(فتاویٰ برکاتیہ صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸)

ابوالبرکات احمد صاحب آگے لکھتے ہیں:

”اگر قرآن و حدیث میں مسئلہ نہیں اور صحابہ کے اقوال موجود ہیں تو ایسی صورت میں اقوال صحابہ قیاس پر مقدم ہوں گے کیوں کہ صحابہ بلاواسطہ نبیؐ کے شاگرد ہیں، دین کے متعلق ان کا علم مضبوط تھا اور سمجھ گہری تھی، انہوں نے بغیر ملاوٹ کے سید الانبیاء سے علم حاصل کیا ہے لہٰذا ان کی رائے ہماری رائے سے مقدم ہے۔“

(حوالہ مذکورہ)

مولانا ابو بکر قدوسی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ایام خلافت راشدہ تاریخ اسلام کے اس سنہری دَور کی عکاسی کرتی ہے کہ آج صدیاں

گزر جانے کے باوجود انسانی تاریخ اس دَور کی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔"

(عرضِ ناشر: ایام خلافتِ راشدہ صفحہ ۵۸، تالیف مولانا عبد الروف جھنڈانگری، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، سن اشاعت: اکتوبر/۲۰۰۱ء)

شاہد نذیر غیر مقلد (کراچی) لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دین براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اس لیے قرآن وسنت کے مفاہیم کو ان مبارک ہستیوں سے زیادہ کوئی جاننے اور سمجھنے والا نہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم کسی صحابی کے ایسے فعل کو بھی جس پر دیگر صحابہ نے کوئی نقد یا اعتراض نہ کیا ہو صرف احادیث کے (بظاہر) مخالف ہونے کی بنیاد پر رد کر دیں اور فہم صحابی کو یہ کہہ کر کوئی اہمیت نہ دیں کہ موقوفاتِ صحابہ حجت نہیں؟!!... کم از کم آثار اور موقوف روایات کو اتنی اہمیت تو دی جانی چاہیے کہ اگر صحابہ میں اس بات کا کوئی مخالف موجود نہ ہو تو اسے تسلیم کرتے ہوئے مسائل میں کچھ گنجائش ہی دے دی جائے اور کم از کم اس عمل کا جواز ہی تسلیم کر لیا جائے۔"

(اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۷۲)

شاہد نذیر آگے لکھتے ہیں:

"دلائل کی معرفت اور مکمل علم ہونے کے باوجود کسی صحابی کا کوئی عمل بظاہر حدیث کے خلاف نظر آتا ہو تو اس فعل صحابی اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تطبیق وتوفیق دینا ہی حق وصواب ہے وگرنہ دوسری صورت میں ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صحابی نے جان بوجھ کر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے، جب کہ ہمارا ایمان اور عقیدہ ان نفوس قدسیہ کے بارے میں یہ ہے کہ کوئی صحابی بھی جان بوجھ کر حدیث کے خلاف عمل نہیں کر سکتا۔"

(اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۷۲)

شیخ غلام مصطفی ظہیر امن پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ضروری ہے کہ رازدانِ شریعت اور عارفانِ علومِ نبوت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

آرا اور ان کا عقیدہ بیان کر دیا جائے، وہ لوگ جنہوں نے شریعت کا جام جہاں نما صاحب شریعت کے ہاتھوں سے لے کر غٹک لیا تھا، شریعت کی چاندی جن کے سراپوں میں اُتر کر انہیں کافوری کر گئی تھی۔ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست شاگرد رہے، انہیں تبلیغ شریعت کا چارج دیا گیا۔ یہ چارج اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اسلام کا ہر عقیدہ و عمل انہیں ذی حشم ہستیوں سے لیا جائے گا، کسی دوسرے سے نہیں، اُن سے پوچھا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس بات کا کیا معنی اور کیا مفہوم ہے۔ ان کی آراء ملاحظہ ہوں۔"

(ختم نبوت صفحہ ۱۵۹،۱۵۸، سن اشاعت: جنوری ۲۰۱۸ء)

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد کی عبارت پیچھے ہم نقل کر آئے ہیں کہ تین طلاق کو ایک قرار دینا کتاب و سنت اور اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے۔ کتاب و سنت سے طلاقِ ثلاثہ کے وقوع پر دلائل کے بعد اب کچھ آثارِ صحابہ یہاں ذکر کرتے ہیں۔

خلفائے راشدین کا مسلک

ویسے تو سارے صحابہ کرام امت کے لئے رہبر و رہنما ہیں مگر ان میں سے خلفائے راشدین: سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی اتباع کرنے کی خاص کر تاکید آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ، میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا تم پر لازم ہے۔

(ابو داود ۲/۲۷۹، ترمذی ۲/۹۲، ابن ماجہ ۱/۵ بحوالہ مقدمہ رسالہ تراویح ۱۳)

مولانا محمد حسین میمن غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، تم پر میری سنت کو اختیار کرنا اور خلفاء راشدین جو ہدایت پر ہیں کی سنت کو اختیار کرنا لازم ہے۔ اس سنت کو مضبوطی سے پکڑنا اور داڑھوں کے ساتھ تھامے رکھنا... معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین

کی سنت کی اتباع بھی لازم اور ضروری ہے اور ان کی اتباع در اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے کیوں کہ خلفاء راشدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کی اتباع کرتے ہیں۔‘‘

(احادیثِ متعارضہ اور اُن کا حل صفحہ ۱۱، ادارہ تحفظ حدیث فاؤنڈیشن)

ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی غیر مقلد نے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي الخ حدیث درج کرنے کے بعد لکھا:

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں خلفاء راشدین، خلفاء اربعہ، سیدنا ابو صدیق، عمر، عثمان اور عمر[سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نام پہلے درج ہو چکا۔ یہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام آنا چاہیے تھا(ناقل)]رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل کرنا فرض ہے۔‘‘

(نماز مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۲۰، ناشر: مرکز تعاونی دعوت والارشاد)

چوں کہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی خاص کر تاکید ہے اس لیے صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے حضرات خلفائے راشدین کے فتاویٰ نقل کرتے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ شَقِيْقِ ابْنِ اَبِی عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ اِذَا اُتِیَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ ثَلَاثًا فِیْ مَجْلِسٍ اَوْجَعَهُ ضَرْبًا وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ :۶/۳۳۰، ح۱۸۰۷۸ باب مَنْ كَرِهَ اَنْ يُّطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ ثَلَاثًا فِیْ مَقْعَدٍ وَّاحِدٍ وَّاَجَازَ ذٰلِکَ عَلَيْهِ ، تخریج: شیخ ابو محمد اسامہ بن ابراہیم)

ترجمہ: انس سے روایت ہے کہ جب عمر کے پاس ایسا آدمی لایا جاتا جس نے اپنی عورت کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے رکھی ہوتیں تو وہ اسے مارتے اور خاوند و بیوی دونوں میں جدائی کرا دیتے۔

صاحبِ تخریج نے اس حدیث کی تخریج میں لکھا:

’’اِسْنَادُهٗ لَابَاسَ بِهٖ، اس کی سند میں کوئی حرج نہیں۔

(حوالہ مذکورہ)

مولانا عبد المتین میمن غیر مقلد لکھتے ہیں:

”صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاق کو تین ہی جاری کر دیا۔“ (حدیث خیر و شر صفحہ ۱۵۵، مکتبہ الفہیم مؤناتھ بھنجن یوپی، تعلیق و تحشیہ مولانا عبد اللطیف اثری، سن اشاعت: جون ر ۲۰۱۳ء)

حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنے کا نفاذ کر دیا جائے تاکہ اس سخت اقدام سے لوگوں کو کچھ تنبیہ ہو اور کثرت سے بیک وقت تین طلاقیں دینے کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہو۔“

(ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل صفحہ ۴۵)

صلاح الدین صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے تیسرے سال میں، جب دیکھا کہ لوگ کثرت سے طلاقیں دینے لگے ہیں، تو لوگوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے تعزیزی اقدام کے طور پر ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی شمار کرنے کا حکم دیا۔“

(طلاق، خلع اور حلالہ صفحہ ۶۸، ناشر: مکتبہ ضیاء الحدیث لاہور)

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی نافذ کر دیا۔“

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل صفحہ ۴۷)

کیلانی صاحب لکھتے ہیں:

”ایک مجلس کی تین طلاق کو آپ رضی اللہ عنہ نے تین ہی شمار کرنے کا قانون نافذ کر دیا“

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل صفحہ ۱۰۱)

کیلانی صاحب مزید لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ جرم بکثرت وقوع پذیر ہونے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ ایسے شخص کی تین طلاق شمار کرنے کے علاوہ اسے بدنی سزا بھی دیتے۔“

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل صفحہ ۱۰۴)

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمر بن خطاب فاروقِ اعظم نے اس معاملہ میں بعض لوگوں کی بے راہ روی دیکھ کر ایک وقت کی تین طلاقوں کو تین قرار دیئے جانے کے قانون کو نافذ کر دیا۔“

(تنویر الآفاق صفحہ ۱۰۶)

مولانا ثناء اللہ امر تسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روکنے کے لیے یہ حکم جاری کر دیا کہ جو کوئی تین طلاقیں دے گا تین ہی شمار ہوں گی۔“

(اہلِ حدیث کا مذہب صفحہ ۱۰۰)

مولانا داود راز غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی الہ عنہ نے اپنی خلافت میں گو اس کے خلاف فتویٰ دیا اور تین طلاقوں کو قائم رکھا۔“

(شرح بخاری داود راز:۷/۳۳)

علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمر نے لوگوں کو سزا دینے کے لئے یہ فتوی دیا کہ تینوں طلاق پڑ جاویں گی۔“

(رفع العجاجۃ عن سنن ابن ماجۃ:۲/۱۰۹)

حافظ محمد اسحاق زاہد غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ تین طلاقوں کو تین شمار کرنے کا حکم ایک خلیفہ راشد نے جاری کیا“

(اہلِ حدیث اور علمائے حرمین کا اتفاق رائے صفحہ ۶۷)

شیخ مختار احمد ندوی غیر مقلد (ناظم جمعیت اہلِ حدیث بمبئی) نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا:

”ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دے کر عورت کو بائنہ قرار دیتے تھے۔ انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ سرکاری حکم نامے کے ذریعہ یہ بات مشتہر کرادی کہ جو شخص بھی بیک زبان تین طلاقیں دے گا وہ تین شمار ہوں گی اور ایسا کرنے والے پر وہ بُری سختی کرتے تھے۔“

(مجموعہ مقالات دربارہ ایک مجلس کی تین طلاق صفحہ ۸۹، ناشر: نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

مختار صاحب نے آگے لکھا:

”آپ نے ایسی [ایک مجلس کی (ناقل) تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا حکم نافذ فرمایا۔“

(مجموعہ مقالاتِ علمیہ دربارہ ایک مجلس کی تین طلاق صفحہ ۹۰)

حافظ محمد امین غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں بطورِ سزا تین کو تین ہی نافذ کر دیا۔“

(حاشیہ نسائی ۵/۲۹۴)

مولانا محب اللہ شاہ راشدی غیر مقلد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا:

”انہوں نے ایک مجلس کی طلاقِ ثلاثہ کو تین قرار دیا...“

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۲۵۲)

راشدی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”جب لوگوں نے اس سنت کے خلاف دھڑا دھڑ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینی شروع کر دیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سنت کی خلاف ورزی کرنے والے لوگوں کو باز رکھنے کے لیے یہ حکم نافذ کر دیا کہ چلو جب تم سنت کے خلاف کرنے سے باز نہیں تو ہم بھی ان ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں۔“

(مقالاتِ راشدیہ: ۱/۲۵۲)

مولانا داود ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حدیث میں یہ الفاظ صاف موجود ہیں: مَنْ تَعَجَّلَ اِنَاۃَ اللّٰہِ فِی الطَّلَاقِ اَلْزَمْنَاہُ اِیَّاہُ (شرح معانی الاثار ص ۳۶ ج ۲) یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جو کوئی معاملہ طلاق کے اندر اللہ تعالیٰ کی عنایت فرمودہ مہلت سے روگردانی کرتے ہوئے عجلت سے ساری طلاقیں بیک وقت دے گا تو ہم اس کی ان طلاقوں کو اس پر لازم کر دیں گے۔“

(دین الحق: ۲/۲۶۵)

کچھ غیر مقلدین نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی بنیاد پہ فتویٰ دیا کہ داڑھی کا مٹھی سے زائد بڑھا ہوا حصہ کاٹا جا سکتا ہے۔ حافظ عبد المنان نور پوری غیر مقلد نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا قابلِ اتباع صحابی کی بیان کردہ حدیث ہے، نہ کہ صحابی کا اپنا عمل۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے نور پوری صاحب نے طلاقِ ثلاثہ کے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا:

”یہ جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم تینوں ہی ان پر نافذ کر دیتے ہیں۔“

(داڑھی کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۸)

نور پوری صاحب آگے کہتے ہیں:

”اور پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نافذ کر دیں کیا یہ بات ان کی دلیل ہے؟ جب کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صحابی بھی ہیں۔ خلفائے راشدین میں سے بھی ہیں۔ اور پھر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے والد محترم بھی ہیں۔ کیا دلیل بنتے ہیں؟ جس مرضی اہلِ حدیث سے جا کر مسئلہ پوچھو کہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں یک مشت دی ہوئی ہوں، تینوں ہو جاتی ہیں؟ تو تمام علماء یہی کہتے ہیں کہ نہیں۔ ایک ہو گی۔ جب کہ ہمارے دوسرے بھائی ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس قول سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے تینوں کے نافذ ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں تسلیم کرتے؟ جب کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس روایت کے راوی بھی ہیں سوچو اور غور کرو۔ آخر انصاف بھی کچھ چیز ہے۔“

(داڑھی کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۸)

شیخ یحیٰ عارفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”سیدنا انس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ناقل ہیں کہ غیر مدخول بہا کی تین طلاق تین ہیں۔(دیکھئے سنن الکبری البیہقی:۷ر۳۳۴)“

(تحفۂ احناف صفحہ:۳۳۶)

غیر مدخولہ کو ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دی گئی ہوں تو تین واقع ہوتی ہیں جیسا کہ آگے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اثر کے تحت یہ بات آرہی ہے ان شاء اللہ۔

غیر مقلدین کے ”مناظر اسلام، محترم، مولانا، مفتی“ اللہ بخش ملتانی لکھتے ہیں:

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین اکٹھی طلاقوں سے روکنے کے لیے فرمایا: اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ اَمْرٍ کَانَتْ لَھُمْ فِیْہِ اِنَاۃٌ“ یعنی لوگوں نے اس کام میں جس میں مہلت تھی جلدی کی۔ یعنی تین متفرقہ کی بجائے تین اکٹھی دینے لگ گئے۔ ”فَلَوْ اَمْضَیْنَاہُ“ کاش ہم تین کو تین ہی نافذ کریں تو لوگ اکٹھی دینے سے باز آجائیں۔ ”فَاَمْضَاہُ“ تو پھر تین کو نافذ کر دیا۔“

(نظر ثانی احسن الابحاث صفحہ ۱۱)

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد نے مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی غیر مقلد کے متعلق لکھا:

”میر صاحب خود اسی پرچہ کے صفحہ نمبر ۲ کالم نمبر ۱ میں فرماتے ہیں عمرؓ نے صرف یہ کیا ہے کہ اس کے ایک ہی دفعہ تین طلاق دینے پر تین طلاق ہی کا حکم جاری کر دیا۔“

(احسن الابحاث صفحہ ۲۶)

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے کا رجحان بہت بڑھ گیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ایسے شخص کی کیا سزا تجویز کرنی چاہیے جو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دیتا ہے جب کہ شریعت نے سختی سے اس سے منع فرمایا ہے۔ صحابہ کرام کی باہمی مشاورت سے یہ طے پایا کہ ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس پر تین طلاقیں قانوناً نافذ کر دی جائیں۔“

(مکالمہ صفحہ ۱۶۷، ناشر: دار الفکر الاسلامی، طبع اول: جنوری ۲۰۱۸ء)

ڈاکٹر صاحب کی اس عبارت میں یہ بھی اعتراف ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی مشاورت سے تین طلاقوں کا نفاذ کیا۔

پروفیسر مسعود عالم فلاحی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہ الواقع یا ضرورت کے تحت تین طلاق کو تین نافذ کیا تھا۔"

(حلالہ سنٹرز اور خواتین کی عصمت دری صفحہ ۱۱۷)

ابو الاقبال سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں نے اس کام میں جس میں ان کے لیے آسانی تھی عجلت شروع کر دی ہے۔ اس لیے اچھا ہے کہ انہیں سب کو ان پر جاری کر دیا جائے چنانچہ جاری کر دیں۔"

(مذہب حنفی کا دینِ اسلام سے اختلاف صفحہ ۸۶)

غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے:

"حضرت عمرؓ کے زمانے میں اللہ کی کتاب سے مذاق کیا جانے لگا، اکٹھی تین طلاقیں ہونے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت عمرؓ سے سزا دلوائی کہ انہوں نے تین اکٹھی طلاقوں کو تین ہی شمار کر کے اس کی بیوی کو اس سے علیحدہ کر دیا۔"

(فتاویٰ نذیریہ: ۴۶/۳)

مولانا محمد حنیف ندوی غیر مقلد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا:

"فیصلہ صادر فرما دیا کہ آئندہ یہ تین طلاقیں قطعی بینونت و علیحدگی کا موجب ہوں گی اور رجوع کا حق نہیں دیا جائے گا۔"

(مسئلہ اجتہاد صفحہ ۱۶۷)

غیر مقلدین نے یہاں یہ عذر بھی تراشا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تین طلاق کو تین قرار دینے پہ بعد

میں نادم ہو گئے تھے مگر ان کی طرف منسوب یہ بات ثابت نہیں، حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد، مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد اور خرم شہزاد غیر مقلد نے بھی اسے غیر ثابت تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ باب نمبر: ۱۵ میں باحوالہ مذکور ہو گا ان شاء اللہ۔ مزید یہ کہ اس روایت کا مطلب کیا ہے اور غیر مقلدین اس سے کیا کشید کرتے ہیں؟ یہ بھی آئندہ صفحات میں تحریر کرنے کا ارادہ ہے وباللہ التوفیق۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تین طلاق کے نافذ کر دینے کے فیصلے کو غیر مقلدین شریعت محمدی کے خلاف محض سیاسی قرار دے کر کہتے ہیں ہم فاروقی نہیں کہ ان کے فیصلہ کو مانیں۔

عرض ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ شرعی ہی تھا جیسا کہ فریق ثانی کے علماء نے برملا اعتراف کیا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”فَلَمَّا رَكِبَ النَّاسُ الْاَحْمُوْقَةَ (اِلٰی اَنْ قَالَ) اَجْرَى اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ الْخَلِيْفَةِ الرَّاشِدِ وَا لصَّحَابَةِ مَعَهٗ شَرْعًا وَّقَدْرًا اِلْزَامَهُمْ بِذٰلِكَ وَاِنْفَاذَهٗ عَلَيْهِمْ۔“

(اعلام الموقعین ۲/۲۷)

جب لوگوں نے حماقت کا ارتکاب شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ راشد [سیدنا عمر رضی اللہ عنہ (ناقل)] اور ان کے ساتھ صحابہ کرام کی زبانوں پر از روئے شرع اور تقدیر تین طلاقوں کو ان پر جاری اور نافذ کر دیا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی اس عبارت میں مذکور ”شَرْعاً، از روئے شرع“ کی تصریح سے ثابت ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تین طلاقوں کے تین ہونے کو نافذ اور جاری کرنا حکم شرعی ہی تھا، نہ کہ سیاسی۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو صحابہ کرام نے بھی تسلیم کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ کتنے صحابہ تھے؟ مولانا شرف الدین دہلوی صاحب کی تصریح کے مطابق تمام صحابہ کرام ہیں جیسا کہ فتاویٰ ثنائیہ کے حوالہ سے ہماری اسی کتاب میں مذکور ہے۔ نیز غیر مقلدین کے ”امام العصر“ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو شرعی قرار دیا اور اس کے سیاسی ہونے کی مدلل انداز میں تردید فرمادی ہے۔ ان کی عبارت ہماری اسی کتاب کے باب نمبر: ۹ میں مذکور ہے۔

ابو عدنان مولانا منیر قمر غیر مقلد نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے تین طلاقوں کے نفاذ سمیت ان کے فیصلوں کو دینی اعتبار سے مفید قرار دیا جیسا کہ ان کی کتاب "جشن میلاد یوم وفات پر؟ ایک تحقیق، ایک تجزیہ صفحہ ۲۸، ناشر توحید پبلیکیشنز بنگلور ہند" کے حوالہ سے باب... میں مذکور ہوگا ان شاء اللہ۔

مولانا داود راز غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اجلہ صحابہ جیسے حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں ان سے تو کوئی ایسی بات منقول نہیں ہے جو شرع کے خلاف ہو۔ وحیدی۔"

(شرح بخاری داود راز: ۶/۹۱)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا موقف

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ایک آدمی نے ابن مسعود سے پوچھا کہ بیوی کو سو طلاقیں دے چکا ہے۔ ابن مسعود نے کہا صرف تین طلاقوں کی وجہ سے وہ حرام ہو چکی ہے باقی ستانوے طلاقیں عدوان و سرکشی اور جرم و گناہ ہیں۔ اسی طرح کی بات حضرت ابن مسعودؓ کے علاوہ متعدد صحابہ حضرت عثمان بن عفان، مغیرہ بن شعبہ، حضرت عمر بن خطاب وغیرہم سے بھی مروی ہے"

(تنویر الآفاق صفحہ ۱۰۳)

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عائد کردہ حدود و قیود کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے۔ یا کم از کم اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ یطلیقاتِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق فتوے دینا شروع کر دیئے تھے ان کے نام یہ ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہ۔"

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل صفحہ ۷۹)

غیر مقلدین کے امام علامہ وحید الزمان نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے باغیوں کی بابت لکھا:

”کم بخت، بڑے سنگدل اور ناخدا ترس تھے۔ حضرت عثمانؓ سالہا سال صحبت، رفاقت اور تربیت پا کر بھی خلافِ شرع کام کر سکتے تھے، انہوں نے کبھی نہ سوچا کہ ہمارے اس فکر و عمل سے خدا، رسول اور قرآن کے ارشادات کی تکذیب ہوتی ہے۔“

(لغات الحدیث:۲/۵۱،ر)

وحید الزمان کی اس عبارت کے مطابق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل کو خلاف شرع کہنا قرآن و حدیث کی تکذیب ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فَقَدْ صَحَّ بِلَاشَکٍّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ عَلِیٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْاِلْزَامُ بِالثَّلَاثِ لِمَنْ اَوْقَعَهَا جُمْلَةً وَّصَحَّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ جَعَلَهَا وَاحِدَةً وَّلَمْ نَقِفْ عَلٰی نَقْلٍ صَحِيْحٍ عَنْ غَيْرِهِمْ مِّنَ الصَّحَابَةِ بِذٰلِکَ۔

(اغاثة اللهفان:۱/۳۲۹)

بلاشبہ ابن مسعود، علی، اور ابن عباس سے یہ ثابت ہے کہ جس شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہوں تو یہ حضرات ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیتے تھے اور ابنِ عباس سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے تین طلاقوں کو [غیر مدخولہ کے حق میں (ناقل)] ایک قرار دیا اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات صحابہ کرام سے ہم کسی نقلِ صحیح پر آگاہ نہیں ہو سکے۔“

شیخ محمد بن اسماعیل امیر یمانی لکھتے ہیں:

”حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا یہی مذہب ہے اور حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت (بلکہ صحیح روایت ہی حضرت علیؓ سے یہی ہے) اور یہی مذہب حضرت عثمانؓ کا نقل کیا گیا ہے۔“

(تعلیق المغنی:۲/۴۳۰، بحوالہ عمدۃ الاثاث صفحہ ۳۷)

====================

علامہ وحید الزمان غیر مقلد ”طلاق بتہ“ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک تین پڑیں گی۔ امام مالک کا یہی مذہب ہے۔“

(شرح موطا امام مالک صفحہ ۳۸۱)

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”مدیر تجلی نے تیسرے نمبر پر اپنے موقف کے حامی صحابہ میں حضرت علی بن ابی طالب کا نام لیا ہے اور ہم معترف ہیں کہ حضرت علی سے بے شک بطریقِ معتبر ایک فتویٰ اس طرح کا منقول ہے۔“

(تنویر الآفاق صفحہ ۱۶۷)

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں:

”چند صحابہ سے حضرت عمرؓ کی تائید میں کچھ فتاویٰ مروی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاصؓ، حضرت عمران بن حصین، عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔“

(تین طلاقیں ایک وقت میں ایک ہوتی ہے صفحہ ۱۰۳)

مولانا داود ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

”پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک وقت میں ہزار طلاقیں دے دے، تو اس کی وہ بیوی تین طلاقوں کی وجہ سے حرام ہو جائے گی۔ اور باقی طلاقیں وہ شخص اپنی دیگر بیویوں پر تقسیم کر دے۔“

(دین الحق: ۲/۷۰۷، مکتبہ غزنویہ لاہور، تاریخ اشاعت: دسمبر ۲۰۰۱ء)

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف

صحابہ کرام میں سے خلفائے راشدین کا مسلک غیر مقلدین کی تائیدی عبارات کے ساتھ اوپر بیان ہو چکا۔ اب ہم دوسرے صحابہ کرام کے مسلک پر حوالہ جات نقل کرتے ہیں اور حسب سابق غیر مقلدین کی اعترافی عبارات بھی درج کریں گے ان شاء اللہ۔

غیر مقلدین کی عبارات سے پہلے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا بیان پڑھ لیں۔ اکٹھی تین طلاقیں دینے کا کیا حکم ہے؟ اس حوالہ سے وہ مذاہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۔ ”پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں ہی واقع ہو جائیں گی، حضرات ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور اکثریت سے حضرات صحابہ کرام کا یہی قول اور مسلک ہے۔“

(زاد المعاد: ۴/ ۵۴ بحوالہ عمدۃ الآثاث صفحہ ۳۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت انس (رضی اللہ عنہ) قانونِ فاروقی کے پیشِ نظر ایک وقت کی طلاقِ ثلاثہ کو تین قرار دیتے تھے جیسا کہ اس روایت میں ہے کہ موصوف نے اپنے فتویٰ مذکورہ کو بیان کر کے کہا حضرت عمر کا فرمان یہی تھا۔“

(تنویر الآفاق صفحہ ۱۷۲)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ عَمْرُو بْنُ مُرَّۃَ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍقَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ اِنِّیْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِیْ اَلْفًا اَوْ مِائَۃً قَالَ بَانَتْ مِنْکَ بِثَلَاثٍ وَسَائِرُھُنَّ وِزْرٌ اِتَّخَذْتَ آیَاتِ اللّٰہِ ھُزُوًا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ :۶/ ۳۳۲، ح ۱۸۰۹۲ باب فی الرجل یطلق امراتہ مائۃ او الفا فی قول واحد)

شیخ ابو محمد اسامہ بن ابراہیم نے اس حدیث کی تخریج میں لکھا:

”اسنادہ صحیح، اس کی سند صحیح ہے“

(حاشیہ صفحہ مذکورہ)

ابوداؤد میں ہے:

”مجاہد کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ چنانچہ وہ خاموش

رہے حتی کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اس کو اس پر واپس کر دیں گے۔ (رجوع کرنے کا حکم دے دیں گے) پھر بولے: تم میں ایک اُٹھتا ہے اور حماقت کا ارتکاب کرتا ہے، پھر کہتا ہے: ابن عباس! ابن عباس! تحقیق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ومن یتق اللّٰہ یجعل له مخرجا جو اللہ کا تقوی اختیار کرے، اللہ اس کے لیے نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتا ہے۔" تو نے اللہ کا تقویٰ اختیار نہیں کیا، لہٰذا میں تیرے لیے کوئی راہ نہیں پاتا۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بیوی تجھ سے جدا ہو گئی۔"

(ابو داؤد مترجم: ۶۷۸/۲ ترجمہ مولانا عمر فاروق سعیدی)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد اس حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں:

"[اسناده صحيح] اخرجه النسائی فی الکبری ، ح :۱۱۶۰۲ والطبری فی تفسیره ۸۴/۲۸:، والطبرانی فی الکبیر: ۸۹/۱۱، ۸۸، ح: ۱۱۱۳۹ من حدیث اسماعیل به وصححه ابن حجر فی الفتح :۳۶۲/۹"

(تخریج ابو داؤد باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث حدیث: ۲۱۹۷)

علی زئی صاحب مذکورہ عبارت کے بعد لکھتے ہیں:

"وَتَوَاتَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ اَفْتٰی بِوُقُوْعِ الثَّلَاثِ فِی الْمَدْخُوْلَةِ وَاَمَّا غَیْرَ الْمَدْخُوْلَةِ فَكَانَ يَرَاهَا وَاحِدَةً۔"

(تخریج ابو داؤد باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث حدیث: ۲۱۹۷)

ترجمہ: ابن عباس سے متواتراً ثابت ہے کہ بلاشبہ انہوں نے مدخولہ عورت کے بارے میں تین طلاقوں کے وقوع کا فتویٰ دیا اور غیر مدخولہ کی طلاقوں کو ایک سمجھتے تھے۔

غیر مقلدین یہ بھی لکھ چکے کہ متواتر حدیثوں کی کسی سند میں اگر کوئی کمزوری بھی ہو تو وہ مضر نہیں۔

چنانچہ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔

"مشہور و متواتر نسخہ سند کا محتاج نہیں ہوتا۔"

(علمی مقالات: ۳۱۹/۲)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”متواتر حدیث کے ہر راوی کی صحتِ اسناد کا تقاضا نہایت درجہ یتیمی علم کا ثبوت ہے۔“

(مقالاتِ اثری: ۲/۴۷)

اعتراض: سیدنا ابن عباس کے اثر میں اضطراب ہے۔

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد نے لکھا:

”ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ بوجہ اضطراب اور موقوف ہونے کے قابلِ حجت نہ تھا ۔ کیوں کہ ان سے کئی قسم کی روایتیں مشہور ہو چکی ہیں کسی میں ایک ہزار طلاق کا ذِکر ہے، کسی میں ستاروں کے برابر کا، کسی میں سو کا، کسی میں تین کا۔ پھر کسی میں غیر مدخولہ کا ذِکر ہے۔ اس شدید اضطراب کی وجہ سے یہ فتویٰ قابلِ قبول نہیں۔“

(احسن الابحاث صفحہ ۴۶)

جواب:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی آثار میں ”ایک ہزار، ستاروں برار، سو اور تین طلاق“ سب کا حاصل یہ ہے ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں تو اُن میں اضطراب کہاں؟ مدخولہ اور غیر مدخولہ کی بابت اضطراب کا دعوی تو کیا مگر یہ نہیں بتایا کہ ان میں کیسے اضطراب ہے۔ اگر اس مزعوم اضطراب کی وضاحت کی ہوتی تو غور کرنے والوں کو غور کا موقع ملتا۔

باقی رہا یہ فرق کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدخولہ کی تین طلاقوں کو تین اور غیر مدخولہ کی تین کو ایک قرار دینا۔ تو عرض ہے کہ غیر مدخولہ کی تین طلاق ایک تب ہوتی ہے جب اسے الگ الگ لفظ سے طلاق، طلاق، طلاق کہا گیا ہو۔ اس لئے کہ غیر مدخولہ پہلی بار بولے جانے والے لفظ طلاق سے نکاح سے نکل جاتی ہے، دوسرا اور تیسرا لفظ بولے جانے کے وقت وہ بیوی نہیں رہتی ۔ احناف کی طرف سے یہی وضاحت مولانا داوٗد ارشد غیر مقلد (دین الحق: ۲/ ۶۶۲) اور شیخ یحیٰ عارفی غیر مقلد (تحفۂ احناف صفحہ ۳۴۷) کی زبانی آگے سیدنا عبد اللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کے اَثر کے تحت آرہی ہے، ان شاء اللہ۔

غیر مقلدین کو دعوی ہے کہ احادیث و آثار کو فہم محدثین اور فہم سلف کے مطابق ماننا چاہیے تو سوال ہے کیا محدثین اور اسلاف نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اَثر کو مضطرب قرار دے کر رَد کیا ہے یا اسے

صحیح اور غیر مضطرب سمجھ کر قبول فرمایا؟

مزید یہ کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اَثر سنداً صحیح ہے اور غیر مقلدین کو بھی اس کے صحیح و ثابت ہونے کا اعتراف ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں باحوالہ منقول ہو گا، ان شاء اللہ۔ خود حکیم صاحب بھی اس کی سند پر جرح نہ کر سکے۔ اگلی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین کے "محدث العصر" شیخ زبیر علی زئی نے کہا کہ صحیح سند سے مروی مضمون میں اضطراب ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"عرض ہے کہ اگر متن میں اضطراب ہے تو سند صحیح نہیں ہے اور اگر سند صحیح ہے تو متن میں اضطراب کہاں سے آگیا؟"

(علمی مقالات: ۲/ ۳۹۴)

علامہ وحید الزمان غیر مقلد مسئلہ تین طلاق میں مذاہب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسرے یہ کہ اگر عورت مدخولہ ہے تو تینوں طلاق پڑ جاویں گی اور جو مدخولہ نہیں ہے تو ایک طلاق پڑے گی ایک جماعت کا یہ قول ہے جیسے ابن عباس اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ۔"

(رفع العجاجۃ عن سنن ابن ماجۃ: ۲/ ۱۰۹)

حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا: میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی ہے، پس اللہ نے اس کو پشیمانی میں ڈال دیا ہے اور اس نے شیطان کی پیروی کی ہے، اب اس کے لیے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔"

(طلاق، خلع اور حلالہ صفحہ ۱۲۰، ناشر: مکتبہ ضیاء الحدیث لاہور)

حاشیہ میں اس پہ حوالہ السنن الکبری للبیہقی: ۷/ ۳۳۷، حدیث: ۱۵۳۷۶، مصنف عبد الرزاق، حدیث: ۱۰۷۷۹ دیا گیا ہے۔

مولانا عمر فاروق سعیدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تین طلاق کے مسئلے میں دو قول وارد ہیں...

ایک یہ کہ تین طلاق کے لفظ سے طلاق ہو جاتی (یعنی تین) اور اکثر روایات اسی طرح کی ہیں اور دوسرا یہ کہ واقع نہیں ہوتی (بلکہ ایک ہوتی ہے) جیسے عکرمہ نے ان سے روایت کیا ہے۔"

(ابو داو مترجم:۲/۶۸۱)

تنبیہ: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف تین کے ایک ہونے کی روایت ابی داود کے بارے میں شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے کہا کہ یہ موصولاً مجھے نہیں ملی اور اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو یہ غیر مدخولہ عورت کے لیے ہے۔ (تخریج ابو داؤد، حدیث:۲۱۹۷)

علی زئی کے اپنے الفاظ باب نمبر:۱۳"چند مزید شبہات کا ازالہ" میں درج ہوں گے ان شاء اللہ۔

مزید یہ کہ غیر مقلدین کئی مقامات پر اُن روایات کو ترجیح دے چکے جو اکثری ہیں۔ تو یہاں بھی اپنے اصول کے مطابق اکثری روایات کو راجح سمجھیں۔

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی کہ ایک آدمی نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں، آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسے تیری طرف سے تین طلاقیں تو واقع ہو گئیں جب کہ ستانوے کے ذریعہ تم نے اللہ کی آیات کے ساتھ مذاق کیا۔"

(مشکوۃ المصابیح:۲/۳۴۲ تحت حدیث:۳۲۹۳ ترجمہ ابو انس محمد سرور گوہر غیر مقلد، نظر ثانی حافظ عبد الستار حماد، طبع مکتبہ اسلامیہ)

حافظ عمران ایوب لاہوری غیر مقلد اِس کی تخریج میں لکھتے ہیں:

"تحقیق: شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔"

(مترجم مؤطا امام مالک: کتاب الطلاق، باب ما جآء فی البتۃ صفحہ ۵۶۹)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد اس حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں:

"حسن، رواہ مالک ۲/۵۵۰ ح ۱۱۹۵" (مشکوۃ المصابیح:۲/۳۴۲ تحت حدیث:۳۲۹۳)

یعنی یہ حدیث حسن ہے اسے امام مالک نے روایت کیا۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد نے مؤطا مالک وغیرہ چند کتب کا تذکرہ کر کے کہا:

”جن مفسدوں کا قول ان کتابوں کے خلاف ہو، ان کا قول انہی کے منہ پر پھینک ماریں۔“

(رفع العاجة عن سنن ابن ماجة:۳/۳۹۱، مہتاب کمپنی لاہور)

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”موصوف ابو داود نے اس سلسلے میں اپنے اس دعویٰ پر حضرت ابن عباس سے مروی شدہ متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ موصوف ابن عباس عکرمہ کی نقل کردہ روایت مذکورہ کے بعد ایک وقت کی طلاقِ ثلاثہ کو تین قرار دینے لگے تھے۔ (سنن ابی داود :۲/۲۲۸،۲۲۷) صاحب عون المعبود نے عون المعبود و تعلیق المغنی دونوں میں صراحت کے ساتھ مذکورہ بالا دونوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے اور اصول اہلِ علم کے مطابق یہ دونوں روایات صحیح بھی ہیں۔“

(تنویر الآفاق صفحہ ۲۵۱)

ندوی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”ہم معترف ہیں کہ ابنِ عباس کا ایک فتویٰ اہلِ تقلید کے مطابق ہے۔“

(تنویر الآفاق صفحہ ۱۷۰)

مولانا عبد اللہ روپڑی غیر مقلد نے بھی تسلیم کیا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا ہے۔ ان کی عبارت فتاویٰ اہلِ حدیث: ۱/ ۵۰۴ کے حوالہ سے باب نمبر.... کے تحت مذکور ہے۔

مولانا داود ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ہمیں اس چیز کا اعتراف ہے کہ بعض روایات میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تینوں طلاقیں واقع ہو جانے کا بھی ہے۔“

(دین الحق:۲/۶۶۹)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اکٹھی دی گئی تین

طلاقوں کو تین ہی کہتے تھے۔(اِغَاثَۃُ اللّٰھفَان :۱/۳۲۹)

حافظ محمد امین غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں بطورِ سزا تین کو تین ہی نافذ کر دیا۔ ان کے فرمان کی وجہ سے عموماً صحابہ و تابعین نے یہی فتویٰ دینا شروع کر دیا حتی کہ اس حدیث کے راوی صحابی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی فتویٰ دینے لگے جس سے لوگوں نے اس روایت کو مشکوک سمجھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سیاسی اور انتظامی فیصلہ ایسا رائج ہوا کہ بعد کے فقہاء نے بھی اس کی پابندی کی حتی کہ یہ شرعی مسئلہ بن گیا جب کہ حقیقیاً یہ انتظامی اور تعزیری فیصلہ تھا۔“

(حاشیہ نسائی ۵/۲۹۴)

ہماری اسی کتاب میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اور مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی کی عبارات منقول ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ شرعی تھا۔

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے عبد الرحمن الجزیری کی کتاب ”کتاب الفقه المذاهب الاربعة صفحہ ۲۴۳“ کے حوالہ سے لکھا:

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بلاشبہ مجتہدین میں سے تھے جن پر دین کے معاملہ میں اعتماد کیا جاتا ہے، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنا جائز ہے۔“

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل صفحہ:۳۰)

کیلانی صاحب ہی لکھتے ہیں:

”اب حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا وہ تعزیری فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیے جو قاری صاحب نے درج فرمایا ہے۔ ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کریں گے۔:”حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی آکر کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ میں نے گمان کیا، شاید ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی بیوی کو

واپس لوٹا دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”تم میں ایک شخص حماقت کر بیٹھتا ہے، پھر کہتا ہے اے ابن عباس رضی اللہ عنہ ! اے ابن عباس رضی اللہ عنہ ! اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ ضرور اس کے لیے آسانی کی راہ نکالتا ہے اور بلاشبہ تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرا، میں تیرے لیے اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا ہوں۔ تو نے اللہ کی نافرمانی کی ہے، تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی۔ (ابو داود ص ۲۹۹، بحوالہ منہاج ص ۳۱۰)... یہ فتویٰ سائل کو اس کی حماقت کی سزا کے طور پر دیا جا رہا ہے۔“

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل صفحہ ۷۰،۷۱)

کیلانی صاحب اس پر جرح نہیں کر سکے تو اسے ”سزا“ قرار دے کر آگے چلتا بنے ہیں۔

شیخ یحیٰ عارفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”مفسر قرآن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں غیر مدخولہ عورت کو [ایک کلمہ سے (ناقل)] دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی شمار ہوتی ہیں اور وہ اس خاوند کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے۔ دیکھئے: (عمدۃ الاثاث، ص: ۲۷، ابو داود مع العون، ص: ۲۲۷، بیہقی: ۷/ ۳۳۵“ دیگر فتاویٰ مثلاً ابو داؤد رقم: ۲۱۹۸، وغیرہ ملحوظ رکھیں۔“

(تحفۂ احناف صفحہ ۳۳۴)

مولانا محمد جونا گڑھی غیر مقلد نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بحوالہ ابو داود تین کے ایک ہونے کا فتویٰ نقل کیا جو کہ ضعیف اور موؤل ہے، پھر لکھا:

”بے شک حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔“

(نکاح محمدی صفحہ ۳۵، ناشر اہل حدیث اکیڈمی مؤناتھ بھنجن یوپی)

ابو الاقبال سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”صحابہ کرامؓ میں حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ... نے دَور فاروقی میں سیاست عمرؓ کی مناسبت سے تین کا فتویٰ بھی دیا ہے۔“

(مذہب حنفی کا دینِ اسلام سے اختلاف صفحہ ۸۹)

غیر مقلدین کی عورت حافظہ مریم مدنی نے ایک مضمون ”غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم“ لکھا۔ اس میں حالتِ غصہ میں دی گئی طلاق کے واقع ہونے پر دلائل دیتے ہوئے دار قطنی ۴/۱۳ سے درج ذیل دلیل نقل کی:

”مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو غصے کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہیں۔ تو ابن عباس نے فرمایا: ”مجھ میں اتنی جرات نہیں ہے کہ تیرے لئے وہ حلال کر دوں جو اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔“

(ماہنامہ محدث لاہور، مدیر ڈاکٹر حافظ حسن مدنی، شعبان/۱۴۳۲ھ… مطابق جولائی/۲۰۱۱ء صفحہ ۳۵)

عجیب طرز عمل ہے کہ جس اثر سے حالتِ غصہ میں طلاق کے واقع ہونے کی دلیل لی، اسی میں تین طلاقوں کے وقوع کی بات بھی ہے جسے غیر مقلدین نظر انداز کر دیا کرتے ہیں۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی تسلیم کیا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اکٹھی دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ ان کی عبارت آگے ”صحابہ کرام کا اجماع“ عنوان کے تحت مذکور ہو گی ان شاء اللہ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک

ابو داود میں ہے:

”محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، محمد بن ایاس سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کنواری لڑکی کو اگر اس کا شوہر تین طلاقیں دے دے (قبل از مباشرت) تو؟ سب نے کہا کہ یہ شوہر کے لیے حلال نہیں حتی کہ کسی اور سے نکاح کرے۔“

(ابو داود مترجم: ۲/۶۸۰ حدیث: ۲۱۹۸ ترجمہ مولانا عمر فاروق سعیدی غیر مقلد)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد اس کی تخریج میں لکھتے ہیں:

”[صحیح] اخرجه البیهقی: ۷/۳۵۴ من حدیث ابی دواد به، وحدیث مالک

فی المؤطا (یحی): ۲/ ۵۷۰"

(تخریج سنن ابی داود حدیث: ۲۱۹۸)

مولانا محمد جوناگڑھی غیر مقلد کی کتاب "نکاح محمدی" کے حاشیہ میں لکھا ہے:

"ایوب کہتے ہیں حکم بن عیینہ امام زہری کے پاس مکہ گئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا انہوں نے اس باکرہ کے بارے میں پوچھا جسے تین طلاق دے دی جائے۔ زہری نے کہا کہ اس بارے میں ابن عباس، ابوہریرہ، عبد اللہ بن عمرو سے پوچھا گیا تھا اور سب نے کہا تھا کہ بغیر دوسرے شوہر سے شادی کئے وہ حلال نہیں ہو سکتی۔"

(حاشیہ نکاح محمدی صفحہ ۲۱، ناشر اہل حدیث اکیڈمی مؤناتھ بھنجن یوپی)

سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

مؤطا مالک میں ہے:

"ایک شخص عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو دو سو طلاق دیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے تجھ سے کیا کہا وہ بولا مجھ سے یہ کہا کہ عورت تیری تجھ سے بائن ہو گئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا سچ ہے جو شخص طلاق دے گا اللہ کے حکم کے موافق تو اللہ نے اس کی صورت بیان کر دی اور جو گڑبڑ کرے گا تاکہ ہم کو مصیبت اُٹھانا پڑے۔ وہ لوگ سچ کہتے ہیں عورت تیری تجھ سے جدا ہو گئی۔"

(مؤطا مالک ترجمہ وحید الزمان)

حافظ عمران ایوب لاہوری صاحب اس کی تخریج میں لکھتے ہیں:

"تحقیق: شیخ سلیم ہلالی اور شیخ احمد علی سلیمان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔"

(مترجم مؤطا امام مالک: کتاب الطلاق، باب ما جآء فی البتة صفحہ ۵۶۹)

علامہ عبد الرشید عراقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حبان (م ۳۵۴ھ) فرماتے ہیں: امام مالک فقہائے مدینہ میں سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے رواۃ کے متعلق تحقیق سے کام لیا اور روایت حدیث میں جو ثقہ نہ ہوں ان

کی روایت سے اعراض کیا۔ وہ صحیح روایت کے علاوہ نہ کوئی روایت نقل کرتے ہیں اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے ہیں۔"

(کاروانِ حدیث صفحہ ۳۵)

پھر عراقی صاحب نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا:

"محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات مالکؒ اور ان کے موافقین کی رائے میں صحیح ہیں۔ اور دوسروں کی رائے بھی اس سلسلہ میں یہی ہے کہ موطا کی مرسل و منقطع روایات کی سند دوسرے طرق سے متصل ہے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس اعتبار سے وہ سب صحیح ہیں۔"

(کاروان حدیث صفحہ ۳۷)

علامہ وحید الزمان غیر مقلد نے موطا مالک وغیرہ چند کتب کا تذکرہ کرکے کہا:

"جن مفسدوں کا قول ان کتابوں کے خلاف ہو، ان کا قول انہی کے منہ پر پھینک ماریں۔"

(رفع العاجة عن سنن ابن ماجة :۳/ ۳۹۱، مہتاب کمپنی لاہور)

حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّىْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِىْ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ مَرَّةً قَالَ فَمَا قَالُوْا لَکَ؟قَالَ قَالُوْا قَدْ حَرُمَتْ عَلَيْکَ قَالَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ لَقَدْ اَرَادُوْا اَنْ يُبْقُوْا عَلَيْکَ بَانَتْ مِنْکَ بِثَلَاثٍ وَّسَائِرُهُنَّ عُدْوَانٌ ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ :۶/ ۳۳۱، ح۱۸۰۸۶ باب فی الرجل یطلق امراته مائة او الفا فی قول واحد)

ترجمہ: ہمیں ابو بکر نے بیان کیا، کہا ہمیں ابو معاویہ نے بیان کیا، وہ اعمش سے، وہ ابراہیم سے، وہ عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہا: ایک آدمی ان کے پاس آیا۔ کہا: میں نے اپنی بیوی کو ننانوے طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا: لوگوں نے آپ سے کیا کہا؟ عرض کیا: لوگوں نے کہا: وہ آپ پر حرام ہو چکی۔ فرمایا: ان لوگوں نے آپ کے ساتھ نرمی کا ارادہ کیا ہے۔ وہ تین طلاقوں کی وجہ سے تجھ سے جدا ہو گئی اور باقی طلاقیں سرکشی اور ظلم ہیں۔

شیخ ابو محمد اسامہ بن ابراہیم نے اس حدیث کی تخریج میں لکھا:

''اسناده صحيح، اس کی سند صحیح ہے''

(حاشیہ صفحہ مذکورہ)

حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَاحَفْصٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ مِائَةَ تَطْلِيْقَةٍ قَالَ حَرَّمَتْهَا ثَلَاثٌ وَسَبْعَةٌ وَّ سَبْعُوْنَ عُدْوَانٌ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۳۳۱، ح۱۸۰۸۷ باب فی الرجل يطلق امراته مائة او الفا فی قول واحد)

ترجمہ: ابو بکر نے ہمیں بیان کیا، کہا ہمیں حفص نے بیان کیا۔ وہ اعمش سے، وہ ابراہیم سے، وہ علقمہ سے، وہ عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں فرمایا: اسے تین طلاقوں نے حرام کر دیا ہے اور ستانوے طلاقیں ظلم و سرکشی ہیں۔

شیخ ابو محمد اسامہ بن ابراہیم نے اس حدیث کی تخریج میں لکھا:

''اسناده صحیح، اس کی سند صحیح ہے''

(حاشیہ صفحہ مذکورہ)

حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَاوَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ وَالْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِنِّيْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِيْ مَائَةً فَقَالَ بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَسَائِرُهُنَّ مَعْصِيَةٌ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۶/۳۳۱، ح۱۸۰۸۸ باب فی الرجل يطلق امراته مائة او الفا فی قول واحد)

ترجمہ: ہمیں ابو بکر نے بیان کیا، کہا ہمیں وکیع نے بیان کیا، وہ سفیان سے، وہ منصور اور اعمش سے، وہ ابراہیم سے، وہ علقمہ سے۔ انہوں نے کہا: ایک آدمی عبد اللہ کے پاس آیا کہا: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا: وہ تین طلاقوں کی وجہ سے تجھ سے جدا ہو گئی اور ساری طلاقیں گناہ ہیں۔

شیخ ابو محمد اسامہ بن ابراہیم نے اس حدیث کی تخریج میں لکھا:

''اسناده صحيح، اس کی سند صحیح ہے''

(حاشیہ صفحہ مذکورہ)

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اسی طرح ایک اور صاحب اپنی بیوی کو دو سو طلاقیں دے کر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس فتویٰ پوچھنے تشریف لائے تھے۔ انہیں بھی آپ رضی اللہ عنہ نے یہی جواب [کہ بیوی جدا ہو گئی (ناقل)] دیا تھا۔ موطا امام مالک، کتاب الطلاق''

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل صفحہ ۷۲)

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ہم معترف ہیں کہ بعض روایات میں ابن مسعود سے منقول ہے کہ ایک وقت کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔''

(تنویر الآفاق صفحہ ۱۶۳)

ابو الاقبال سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ابن مسعودؓ سے سیاستِ فاروقی کے پیشِ نظر دوسرا فتوی بھی مروی ہے۔''

(مذہب حنفی کا دینِ اسلام سے اختلاف صفحہ ۸۹)

شیخ یحی عارفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ غیر مدخولہ عورت کی تین طلاقوں کو بھی تین ہی قرار دیتے تھے جیسا کہ دیوبندی امام سر فراز صفدر دیوبندی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کر کے لکھتے ہیں اور ''طحاوی'' (۳۰/۲) میں غیر مدخول بہا کے لفظ بھی ہیں۔ (عمدۃ الاثات، ص:۷۳) جب کہ احناف کے ہاں غیر مدخولہ کو تین طلاق دی جائیں تو وہ پہلی سے جدا ہو جائے گی دوسری اور تیسری طلاق واقع نہیں ہو گی۔''

(تحفۂ احناف صفحہ ۳۲۸)

تنبیہ: غیر مدخولہ کو دی جانے والی تین طلاقوں کے الفاظ کو دیکھا جاتا ہے ان الفاظ کے مد نظر کبھی تین ہوتی ہیں اور کبھی ایک جیسا کہ مولانا داود ارشد غیر مقلد اور خود عارفی صاحب کی زبانی آگے ''سیدنا عبد اللہ بن عمرو

ابن عاص رضی اللہ عنہ کا فتویٰ'' کے تحت آرہا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ یہ فتویٰ احناف کے خلاف ہے بلاوجہ خوش فہمی ہے۔ احناف کے بارے میں تو جو کہنا تھا کہہ دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتادیتے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکورہ فتویٰ غیر مقلدین کے خلاف ہے یا نہیں؟

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کو تین ہی کہتے تھے جیسا کہ اوپر نقل ہو چکا ہے۔ یہاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وَصَحَّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ الْقَوْلُ بِاللِّزَامِ وَ صَحَّ عَنْهُ التَّوَقُّفُ۔'' ابن مسعود سے تین طلاقوں کے لازم کر دینے کا قول صحیح ہے۔ اور ان سے توقف کا قول بھی صحیح ہے۔

(زاد المعاد: ۴/ ۶۲)

توقف والی بات قابل تامل ہے خود حافظ ابن قیم رحمہ اللہ بلا شک کہہ کر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تین طلاقوں کے تین ہونے کو منسوب کیا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

شیخ محمد یحی عارفی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''عبد اللہ بن عمرو بن العاص غیر مدخولہ کی یکجائی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے تھے جیسا کہ ان سے منقول ایک فتوی کے الفاظ یہ ہیں: ''اَلْوَاحِدَةُ تُبِيْنُهَا وَالثَّلَاثُ تُحَرِّمُهَا حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔''

(تحفۂ احناف صفحہ: ۳۳۵)

عارفی صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' احناف کے ہاں غیر مدخولہ کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہے اور مذکورہ بالا فتویٰ بھی غیر مدخولہ کے بارے میں ہے جو احناف کے مسلک کے صریح مخالف ہے۔''

(حوالہ مذکورہ)

احناف کے ہاں غیر مدخولہ کی تین طلاقیں ہر حال میں ایک نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

مولانا داود ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

”فقہ حنفی میں غیر مدخولہ کے متعلق دو موقف پائے جاتے ہیں پہلا موقف جس میں مرد تین بار علیحدہ علیحدہ طلاق کا لفظ بولتا ہے، دوسرا موقف جس میں مرد تینوں طلاقیں یکدم بولتا ہے، پہلی صورت میں طلاق صرف ایک ہی رجعی ہوگی جب کہ دوسری صورت میں تینوں ہی واقع ہو جائیں گی۔“

(دین الحق: ۲/ ۲۶۲)

عارفی صاحب بقلم خود لکھتے ہیں:

”احناف کا موقف یہ ہے کہ غیر مدخولہ کی دو حالتیں (ہیں) اگر طلاق لفظ طالق ثلاثا سے (ہو) تو تینوں واقع اور اگر متفرق الفاظ سے (ہو) تو ایک واقع اور مدخولہ پر ہر حال میں تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔“

(تحفۂ احناف صفحہ: ۳۴۷)

عارفی صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ احناف کے ہاں ثلاثا کے لفظ سے دی جانے والی طلاقیں غیر مدخولہ کے حق میں بھی تین ہیں اور سیدنا عبد اللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے الفاظ جو عارفی صاحب نے نقل کئے ہیں اس میں الثلاث کا لفظ موجود ہے یعنی ان کے نزدیک ثلاث کے لفظ سے دی جانے والی طلاقیں تین ہیں لہذا یہ فتوی احناف کے موافق ہے، خلاف نہیں ہے۔ البتہ غیر مقلدین کے خلاف ضرور ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

بعض لوگ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے تھے مگر مولانا داود ارشد غیر مقلد نے صاف لکھ دیا کہ ان کی طرف منسوب تین کو ایک قرار دینے کی روایتیں ضعیف ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”ہمیں اعتراف ہے کہ قصہ ابن عمر رضی اللہ عنہ میں مروی صحیح حدیث میں صرف ایک ہی طلاق کا ذِکر ہے، اور جن میں (تین) طلاقوں کا ذکر ہے وہ روایات ضعیف ہیں۔“

(دین الحق: ۲/ ۲۶۶)

اہلِ بیت کا فتویٰ

قاضی شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

ترجمہ: ”جمہور تابعین اور حضرات صحابہ کرام کی اکثریت اور ائمہ مذاہب اربعہ اور اہلِ بیت بھی ہیں یہی مذہب ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔“

(نیل الاوطار: ۶/۲۴۵)

صحابہ کرام کے موقف پر کچھ مزید حوالے

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بہر حال دوسرا مسلک ایک کلمہ سے تین طلاق کے واقع ہونے کا ہے اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، اور اس میں چار مذہب ہیں پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں واقع ہو جائیں گی، حضرات ائمہ اربعہ، جمہور تابعینؒ اور اکثریت سے صحابہ کرامؓ کا یہی قول اور مسلک ہے۔“

(زاد المعاد ۴/۵۴ بحوالہ عمدۃ الاثاث صفحہ ۳۲)

مولانا عبد القادر حصاروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”ایک مجلس کی تین طلاق کو اہلِ حدیث ایک ہی رجعی طلاق قرار دیتے ہیں ... لیکن جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کا یہ مذہب بتلایا جاتا ہے کہ وہ اس طلاق کو طلاق بائنہ مغلظہ کہتے ہیں اور عورت کو حرام قرار دیتے ہیں۔“

(شرعی داڑھی صفحہ ۸۳، شائع کردہ مکتبہ دار الحدیث راجووال)

غیر مقلدین صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ اس کے متعلق مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے لکھا:

”عموماً صحابہ کا عمل اس کے برعکس ہے۔“

(پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ صفحہ ۹۶)

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”بعض [بلکہ سب (ناقل)] صحابہ رضی اللہ عنہم ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع

کے قائل رہے۔"

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل صفحہ: ۵۲)

شیخ مختار احمد ندوی غیر مقلد (ناظم جمعیت اہل حدیث بمبئی) لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے اس حکم نامہ پر عام صحابہؓ و تابعین نے محض سکوت اختیار کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ حضرات خلیفہ کو امت کی اپنی مصلحت و مفاد کا مجاز سمجھتے تھے۔"

(مجموعہ مقالات درباره ایک مجلس کی تین طلاق صفحہ ۹۳، ناشر: نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

مختار صاحب آگے لکھتے ہیں:

"عام صحابہؓ نے جو حضرت عمرؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں موجود تھے، آپ کے اس اجتہاد پر سکوت اختیار کیا۔"

(مقالات علمیہ درباره ایک مجلس کی تین طلاق صفحہ ۹۴)

جب کسی صحابی کے فتوی پر دوسرے صحابہ کرام سکوت اختیار کریں۔ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کے بقول وہ صحابہ کرام کا اجماعی مسئلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چوں کہ صحابہ... کے زمانے میں ان کا مخالف ظاہر نہیں ہوا، لہذا اس پر اجماع ہے۔"

(توضیح الاحکام: ۱/ ۲۲۱)

علی زئی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"اس کے خلاف کسی صحابی سے کچھ ثابت نہیں، لہذا یہ اجماع ہے۔"

(علمی مقالات: ۶/ ۳۴۹)

صحابہ کرام کا اجماع

باب: ۱ کی ابتداء میں فتاویٰ ثنائیہ: ۲/ ۲۱۹ کے حوالے سے مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد کی عبارت تحریر ہو چکی ہے کہ تین طلاقوں کے تین ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اس طرح کا اعتراف شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی کیا ہے۔

علی زئی صاحب نے امام شریح رحمہ اللہ کے فتوی "اکھٹی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"قُلْتُ :وَصَحَّ بِنَحْوِ الْمَعْنٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّغَيْرِهِ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ، وَلَا يُعْرَفُ لَهُمْ مُخَالِفٌ فِيْ اِيْقَاعِ الثَّلَاثَ جَمِيْعًا فَهٰذَا اِجْمَاعٌ ۔

(حاشیہ جزء علی بن محمد الحمیری :۳۷ تحت حدیث:۴۳)

میں کہتا ہوں: اور اسی طرح کا مفہوم ابن عباس وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے صحیح سند سے ثابت ہے اکھٹی تین طلاقوں کے وقوع کے بارے میں ان کا کوئی مخالف معلوم نہیں، لہذا یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

علی زئی یہ بھی لکھ چکے کہ اجماع کی حیثیت حدیث سے زیادہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے تاویل مختلف الحدیث :۱۷۶ سے امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

"ہمارے نزدیک روایت سے زیادہ، اجماع سے حق ثابت ہوتا ہے، کیوں حدیث پر سہو اور غفلت کا اعتراض ہو سکتا ہے، شبہات، تاویلات اور ناسخ منسوخ کا احتمال ہوتا ہے اور یہ بھی (کہا جاسکتا ہے) کہ ثقہ نے غیر ثقہ سے لیا تھا... اور اجماع ان باتوں سے محفوظ ہے۔"

(علمی مقالات:۵/۹۶)

علی زئی کی ایک اور عبارت بھی پڑھی لیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"بات صحابی کی مانی جائے گی نہ کہ بعد میں آنے والے شخص کی، جس کا قول و فعل بلکہ اس کی پوری ذات کسی صحابی کے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔"

(نور العینین صفحہ ۳۰۷ طبع ۲۰۰۶ء)

علی زئی نے اعتراف کیا کہ صحابہ کرام تین طلاقوں کو تین کہتے ہیں اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ صحابہ کرام کے مقابلہ میں بعد والوں کی بات نہیں مانی جائے گی کیوں کہ بعد والے لوگ کسی صحابی کے قدموں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔

حافظ صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اِقدام کا پس منظر چوں کہ صحابہ ؓکرام کے علم میں تھا، اس

لیے اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سکوت اختیار فرمایا۔"

(ایک مجلس میں تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل صفحہ ۴۶)

حافظ محمد اسحاق زاہد غیر مقلد لکھتے ہیں:

"چوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا، اس لئے انہوں نے بھی اس [سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ (ناقل)] پر خاموشی اختیار کی۔"

(اہلِ حدیث اور علمائے حرمین کا اتفاق رائے صفحہ ٦٦)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَهٰؤُلَاءِ الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ قَائِلُوْنَ وَابْنُ عَبَّاسٍ، ابن عباس سمیت سب صحابہ کرام اکٹھی تین طلاقوں کو تین مانتے ہیں۔

(الاستذکار:١٧٨/٦)

اجماع صحابہ کی مخالفت کو اسلام کی روح قرار دینے کی جسارت

بعض غیر مقلدین عجیب کش مکش کا شکار ہیں انہیں یہ تسلیم ہے کہ تین طلاق کے تین ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ جب یہ مان لیا تو اگلا سوال اٹھنا تھا کہ تم کیوں اس اجماع کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو؟ تو اس کے جواب میں جسارت کر ڈالی کہ چوں کہ اجماعِ صحابہ کی مخالفت مضر نہیں، اس لیے اس کے برعکس موقف اپنانا درست بلکہ یہ اسلام کی روح ہے۔

چنانچہ پروفیسر قاضی مقبول احمد غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اجماع صحابہ بعض معاملات میں حجت نہیں ہے ایسا اجماع وقتی قانون کی وجہ سے تھا مثلاً...

حضرت عمرؓ نے ام ولد لونڈی کی بیع کی ممانعت کر دی۔ تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ شراب نوشی کی سزا چالیس سے بڑھا کر اسی کوڑے کر دی۔ یہ اور اس کے قسم کے قانونی اجتہادات پر ایک عہد میں صحابہ کا اجماع ہوا جو صرف وقتی قانونی اجماع تھا۔ اس اجماع کے خلاف قانون سازی ہو سکتی ہے۔ ان کا یہ اجماع ایک وقتی مصلحت اور ضرورت کے تحت تھا۔ ہر خلیفہ اور ہر حکومت اپنی ضرورت مصلحت کے مطابق قانون سازی کر سکتی ہے، یہی اسلام کی روح ہے۔ تعزیراتی سزاؤں

میں صحابہ کا اجماع حجت نہیں ہے۔"

(اسلام اور اجتہاد صفحہ ۴۸، مکتبہ قدوسیہ لاہور)

پروفیسر صاحب نے اس عبارت میں اجماع صحابہ کرام کی مخالفت کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اسے "اسلام کی روح" تک کہہ دیا۔ افسوس!!

باب نمبر:۳

تابعین کا مسلک

ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"تابعین عظام رحمہم اللہ کا گروہ بھی قابلِ اقتداء ہے کیوں کہ وہ خیر القرون میں شامل ہیں اور انہوں نے علم بالواسطہ صحابہ کرام سے سیکھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پروردہ آغوشِ رسالت تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے: ﴿خیر کم قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم﴾ تم میں سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں، (یعنی صحابہ کرام) پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ جو اس کے بعد آئیں گے۔ (یعنی تابعین)"

(نماز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۳۱، ناشر: مرکز تعاونی دعوت والارشاد)

ابو حمزہ صاحب نے آگے لکھا:

"قارئین کرام! تابعین عظام رحمہم اللہ نے علوم نبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا تھا، اور جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں بتلایا، وہ اُس پر عمل پیرا رہے۔"

(نماز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۳۴، ناشر: مرکز تعاونی دعوت والارشاد)

حکیم محمد اشرف سندھو غیر مقلد نے لکھا:

"صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا درجہ ہے لہذا اُن کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔"

(اکمل البیان فی شرح حدیث نجد قرن الشیطان صفحہ ۳۳، دار الاشاعت اشرفیہ سندھو بلو کی ضلع قصور)

تابعین کی بابت مذکورہ تاثرات پڑھنے کے بعد جانیے کہ تابعین عظام ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی مانتے تھے۔ جیسا کہ بہت سے علماء کرام نے بیان کیا بلکہ خود متعدد غیر مقلدین نے بھی تسلیم کیا کہ تابعین کا یہی مسلک تھا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، عکرمہ، عمرو بن دینار، مالک بن الحویرث، محمد بن ایاس بن بکیر اور معاویہ بن ابی عیاش الانصاری، تمام (ثقہ و مشہور) راوی حضرت ابن عباس سے یہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا ہے۔

(سنن الکبری للبیہقی:۷/۲۳۸)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے مسئلہ تین طلاق پر مذاہب بیان کرتے ہوئے لکھا:

”پہلا مذہب یہ ہے کہ تینوں ہی واقع ہو جائیں گی، حضرات ائمہ اربعہ، جمہور تابعین اور اکثریت سے حضرات صحابہ کرام کا یہی قول اور مسلک ہے۔“

(زاد المعاد:۴/۵۴ بحوالہ عمدۃ الآثاث صفحہ ۳۱)

قاضی محمد بن شوکانی (المتوفی ۱۲۵۰ھ) غیر مقلد کہتے ہیں:

جمہور تابعین اور حضرات صحابہ کرام کی اکثریت اور ائمہ مذاہب اربعہ اور اہل بیت کا ایک طائفہ جن میں حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب بھی ہیں یہی مذہب ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(نیل الاوطار:۶/۲۴۵، بحوالہ عمدۃ الاثاث صفحہ ۳۷)

حافظ محمد امین غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں بطورِ سزا تین کو تین ہی نافذ کر دیا۔ ان کے فرمان کی وجہ سے عموماً صحابہ و تابعین نے یہی فتویٰ دینا شروع کر دیا۔“

(حاشیہ نسائی ۵/۲۹۴)

امین صاحب نے اعتراف کر لیا کہ عام صحابہ و تابعین کا یہی فتویٰ تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔

خرم شہزاد غیر مقلد لکھتے ہیں:

''بے شمار تابعین سے ترک رفع یدین اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنا، فجر کی دو سنت (صلوۃ الفجر کی جماعۃ کے ہوتے ہوئے) پڑھ کر صلوۃ فجر کی جماعۃ میں شامل ہونا، اور ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دینے سے طلاق کا واقع ہو جانا، اور سجدوں میں رفع یدین کرنا وغیرہ بھی صحیح ثابت ہیں۔''

(کیا خصی جانور کی قربانی سنت ہے؟ صفحہ ۳۳)

خرم شہزاد صاحب غیر مقلد ہونے کے ساتھ ساتھ مشہور غیر مقلد حافظ زبیر علی زئی کے شاگرد ہیں جیسا کہ انہوں نے خود ہی شاگرد ہونے کا اعتراف کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''راقم الحروف کے استاذِ محترم محدث العصر شیخ الحدیث حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ۔''

(کیا خصی جانور کی قربانی سنت ہے؟ صفحہ ۴۴)

مولانا عبد القادر حصاروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ایک مجلس کی تین طلاق کو اہلِ حدیث ایک ہی رجعی طلاق قرار دیتے ہیں ... لیکن جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ اربعہ کا یہ مذہب بتلایا جاتا ہے کہ وہ اس طلاق کو طلاق بائنہ مغلظہ کہتے ہیں اور عورت کو حرام قرار دیتے ہیں۔''

(شرعی داڑھی صفحہ ۸۳، شائع کردہ مکتبہ دار الحدیث راجووال)

تنبیہ: حضرت علامہ عبد الغفار ذہبی رحمہ اللہ نے اپنا ایک قلمی مضمون عنایت فرمایا جس میں تین طلاقوں کے تین ہونے پر تابعین کے اقوال و فتاوی ہیں۔ ذیل میں وہ مضمون نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ انہیں بہترین جزا عطا کرے، آمین۔ اس باب میں مجھے کچھ لکھنا ہوا تو فائدہ کے عنوان سے لکھوں گا ان شاء اللہ، جس سے امتیاز ہو گا کہ فائدہ کے عنوان والی عبارت میری ہے۔ اتنی تمہید کے بعد اب ہم کچھ تابعین کے فتاوی و اقوال نقل کرتے ہیں وباللہ التوفیق۔

(۱) سیدنا امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا اثر

رَوَی الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْمُحَدِّثُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِیِّ عَنِ الْحَسَنَ وَ عَنْ اَبِیْ مَعْشَرٍ عَنْ اِبْرَاہِیْمَ قَالَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ ثَلَاثًا وَّ لَمْ یَدْخُلْ فَقَدْ بَانَتْ مِنْہُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا

غَیْرَہٗ وَاِنْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ فَقَدْ بَانَتْ بِالْاُوْلٰی وَلَیْسَتِ الثِّنْتَانِ بِشَیْءٍ قَالَ السُّفْیَانُ وَھُوَ الَّذِیْ نَاخُذُ بِہٖ۔

(مصنف عبد الرزاق:۶/۳۳۴رقم:۱۱۰۶۸،ومن طریق آخر صفحہ ۳۳۶رقم ۱۱۰۸۲واسنادہ صحیح)

یہ اثر سنن سعید بن منصور:۱/۲۶۵،۲۶۶اور مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۱۹میں بھی ہے۔

ترجمہ:ابراہیم نے کہا:جس وقت آدمی نے تین طلاقیں دی ہوں جب کہ ہم بستری نہ کی ہو۔تو وہ عورت اس سے جدا ہو گئی یہاں تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔اور اگر اس نے کہا:تو طلاق ولی ہے،تو طلاق ولی ہے،تو طلاق ولی ہے۔تو پہلی طلاق کے ساتھ جدائی ہو جائے گی اور دوسروں دو طلاقیں کچھ نہیں ہوں گی۔سفیان نے کہا اسی بات کو ہم لیتے ہیں۔

تحقیق السند

سند کے رواۃ کی توثیق درج ذیل ہے۔

(۱)امام عبد الرزاق رحمہ اللہ صحیح بخاری و صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ للذھبی:۱/۲۶۶،سیر اعلام النبلاء للذھبی:۸/۲۴۷)

(۲)سفیان ثوری یہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء للنووی:۱/۲۲۲وتذکرۃ الحفاظ للذھبی:۱/۱۵۱)

(۳)حسن بن عبید اللہ الثقفی یہ صحیح مسلم و سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ صالح اور فقیہ راوی ہیں۔

(تہذیب الکمال للمزی:۶/۱۹۹،سیر اعلام النبلاء للذھبی:۶/۲۷۸)

(۴)ابو معشر یہ صحیح مسلم،ابو داود،ترمذی اور نسائی کے راوی ہیں اور ثقہ،صالح،متقن اور فقیہ راوی ہیں۔

(الثقات للعجلی:۱/۱۶۸،تہذیب الکمال:۹/۵۰۴)

(۵)ابراہیم نخعی رحمہ اللہ بخاری، مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء للنووی:۸/۱۰۴،تذکرۃ الحفاظ للذھبی:۱/۵۹)

(۲)سیدنا امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا اثر

رَوَی الْاِمَامُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَۃَ عَنِ ابْنِ الْمُسَیِّبِ قَالَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ الْبِکْرَ ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔

(مصنف عبد الرزاق:۶/ ۳۳۲،حدیث:۱۱۰۶۶)

ترجمہ: ابن المسیب نے فرمایا: جب آدمی اپنی کنواری بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔

تحقیق السند

اس اثر کے سب رواۃ قابل اعتماد ہیں۔

(۱)امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔

(۲)امام معمر رحمہ اللہ کتب ستہ کے ثقہ راوی ہیں۔

(تہذیب الاسماء للنووی:۲/ ۱۰۲،تذکرۃ الحفاظ:۱/ ۱۴۲)

(۳)امام قتادہ بن دعامہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے ثقہ راری ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء للذھبی ج... ص۲۶۹،تہذیب لابن حجر:۸/ ۳۵۱)

(۴)سعید ابن المسیب المدنی بخاری، مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء للنووی:۱/ ۶۱۹،تہذیب الکمال للمزی:۱۱/ ۶۶،تذکرۃ الحفاظ للذھبی:۱/ ۴۴،سیر اعلام النبلاء:۴/ ۲۱۷)

(۳)سیدنا امام زہری رحمہ اللہ کا اثر

رَوَى الْإِمَامُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ عَبْدُ الْأَعْلٰى عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِيْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا جَمِيْعًا...فَقَالَ فَقَدْ عَصٰى رَبَّهُ وَبَانَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۴/ ۱۱)

ترجمہ: زہری سے روایت ہے اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکھٹی دی ہوں۔ فرمایا: اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی سے اس جدائی ہوگئی۔

یہ اثر الاستذکار (۶/ ۵) میں بھی ہے۔

تحقیق السند

(۱)ابن ابی شیبہ بخاری، مسلم کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ للذھبی:۲/ ۱۶،سیر اعلام النبلاء للذھبی:۱۱/ ۱۲۱)

(۲)عبد الاعلیٰ، بخاری، مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور محدث، ثقہ، حافظ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/۷ ۲۱، سیر اعلام النبلاء: ۹/ ۶۴۲)

(۳) معمر کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ ثقہ راوی ہے۔

(۴) امام زہری رحمہ اللہ یہ کتب ستہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ للذھبی: ۱/ ۸۹ م، تہذیب لابن الحجر: ۹/ ۴۴۵)

فائدہ:

مولانا محمد جوناگڑھی کی کتاب ''نکاح محمدی صفحہ ۲۱'' کے حاشیہ میں ہے کہ کسی نے امام زہری رحمہ اللہ سے باکرہ کو دی گئی تین طلاقوں کو متعلق پوچھا تو انہوں نے حضرات صحابہ کرام: عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کا فتویٰ سنادیا کہ بغیر دوسرے شوہر سے شادی کئے وہ حلال نہیں ہو سکتی۔ یہ اَثر صحابہ کرام کے آثار میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اَثر کے تحت ہم نقل کر چکے ہیں۔

(۴) سیدنا شریح رحمہ اللہ کا اثر

رَوَى الْإِمَامُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ نَا وَكِيْعٌ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ رَجُلٌ إِنِّيْ طَلَّقْتُهَا مِائَةً قَالَ بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَّسَائِرُهُنَّ إِسْرَافٌ وَ مَعْصِيَةٌ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/ ۱۳)

ترجمہ: ایک آدمی نے کہا: میں نے اسے سو طلاقیں دی ہیں شریح نے فرمایا: تین طلاقوں کی وجہ سے جدا ہو چکی اور باقی ساری طلاقیں اسراف اور گناہ ہے۔

تحقیق السند

(۱) امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کے متعلق اوپر گزر چکا کہ انتہائی ثقہ راوی ہیں۔

(۲) وکیع بن الجراح بخاری، مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء للنووی: ۲/ ۱۴۳، تذکرۃ الحفاظ للذھبی: ۱/ ۲۷۳)

(۳) اسماعیل بن ابی خالد الکوفی یہ بھی صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء: ۱/ ۱۷۱، تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۱۵)

(۳) امام عامر شعبی رحمہ اللہ۔ یہ بھی بخاری و مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ، ثبت اور فقیہ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ:۱/۱۶۳، سیر اعلام النبلاء:۴/۲۹۴)

(۴)شریح الکوفی۔یہ الادب المفرد للبخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور الفقیہ، رجل صالح ثقہ اور صحیح الحدیث راوی ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء:۴/۱۰۷، تہذیب لابن حجر:۴/۳۳۰)

فائدہ:

ثَنَا اَبُوْ سَعِيْدٍ الْاَشَج ثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ شُرَيْحٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّیْ طَلَّقْتُ امْرَاَتِیْ مِائَةً فَقَالَ اَمَّا ثَلَاثٌ فَلَکَ وَ سَبْعَةٌ وَّ تِسْعِيْنَ فَوَضِيْعَةٌ ۔

ترجمہ: شعبی شریح سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔شریح نے فرمایا تین تو تیری ہیں ستانوے ضائع ہیں۔

(جز علی بن محمد الحمیری صفحہ ۳۷، حدیث:۴۳)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد حاشیہ میں اس اثر کے تحت لکھتے ہیں:

”رجاله ثقات ابو خالد لم ينفرد به“ اس کے راوی قابل اعتماد ہیں ابو خالد یہاں متفرد نہیں ہے۔

(جز علی بن محمد الحمیری صفحہ ۳۷، حدیث:۴۳)

(۵)سیدنا امام شعبی رحمہ اللہ کا اثر

رَوَى الْاِمَامُ ابْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ قَالَ عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ فِی الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا قَالَ لَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۱۹)

ترجمہ: جو آدمی ہم بستری سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے کے بارے میں شعبی نے فرمایا: وہ اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک دوسرے خاوند سے نکاح کر لے۔

تحقیق السند

(۱،۲)امام ابن ابی شیبہ اور امام شعبی کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

(۳)عبدۃ بن سلیمان الکلابی الکوفی، یہ صحیح بخاری، صحیح مسلم و سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ، رجل صالح ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۶۷، تہذیب الکمال: ۱۸/۵۳۰)

(۴) عاصم الاحول البصری، یہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے ثقہ و حافظ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۱۳، سیر اعلام النبلاء: ۶/۱۲)

(٦) سیدنا امام حکم رحمہ اللہ کا اثر

رَوَی الْاِمَامُ سَعِیْدُ بْنُ الْمَنْصُوْر قَالَ هُشَیْمٌ قَالَ اَنَا مطرف عَنِ الْحَکَمِ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا قَالَ هِیَ طَالِقٌ ثَلَاثًا لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ وَاِذَا قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ اَنْتِ طَالِقٌ بِانَتْ بِالْاُوْلٰی وَلَمْ یَکُنِ الْاُخْرَیَیْنِ شَیْءٌ۔

(سنن سعید بن منصور: ۱/۲٦٦ حدیث: ۱۰۸۰)

ترجمہ: حکمؔ سے روایت ہے جب آدمی کہے: اسے تین طلاقیں ہیں تو وہ اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔ اور جب کہے: تو طلاق والی، تو طلاق والی، تو طلاق والی ہے تو پہلی طلاق کے ساتھ جدا ہو جائے گی اور دوسری دو طلاقیں کچھ واقع نہیں ہوں گی۔

تحقیق السند

(۱) سعید بن منصور، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۲/۵، تہذیب الکمال: ۱۱/۷۷)

(۲) ہشیم، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء: ۲/۱۳۸، تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۸۲، تہذیب الکمال: ۳۰/۲۷۳)

(۳) امام مطرف بن طریق الکوفی،، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء: ٦/۱۲۷، تہذیب الکمال: ۲۸/٦۲)

(۴) حکم بن عتیبہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/۸۸، سیر اعلام النبلاء: ۵/۲۰۸)

(۷) سیدنا امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا اثر

رَوَی الْاِمَامُ سَعِیْدُ بْنُ الْمَنْصُوْر قَالَ هُشَیْمٌ قَالَ اَنَا اَبُوْ بِشْرٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ

اِذَا قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِهَا لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ۔

(سنن سعید بن منصور:۱/۲۶۷حدیث:۱۰۸۷)

ترجمہ:سعید بن جبیر سے روایت ہے جب آدمی اپنی غیر مدخولہ بیوی سے کہے: تجھے تین طلاقیں ہیں تو وہ اس کے حلال نہیں یہاں تک دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔

تحقیق السند

(۱،۲)سعید بن منصور اور ہشیم کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۳)امام ابو بشر جعفر بن ایاس وھو ابن ابی وحشیة الواسطی ،یہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ واثبت الناس فی سعید بن جبیر ہیں۔

(تہذیب الکمال:۵/۵، تہذیب لابن حضر:۲/۸۳)

(۴)سعید بن جبیر الکوفی، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الکمال:۱۰/۳۵۸، تذکرۃ الحفاظ:۱/۶۰)

(۸)سیدنا امام حسن بصری رحمہ اللہ کا اثر

رَوَی الْاِمَامُ سَعِیْدُ بْنُ الْمَنْصُوْر قَالَ هُشَیْمٌ قَالَ اَنَا حُمَیْدٌ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّهٗ قَالَ فِیْمَنْ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بِهَا قَالَ رَغِمَ اَنْفُهٗ لَمْ اَجِدْهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ۔

(سنن سعید بن منصور:۱/۲۶۷)

ترجمہ: حسن نے اس آدمی کے متعلق فرمایا جس نے اپنی غیر مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں اس کی ناک خاک آلود ہو میں اس کے لیے کوئی چارہ نہیں پاتا یہاں تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔

تحقیق السند

(۱،۲)سعید بن منصور اور ہشیم کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔

(۳)حمید الطویل،، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقةو صدوق و لاباس به ہیں۔

(تہذیب لابن حجر:۳/۳۸، تذکرۃ الحفاظ:۱۱۱۴)

(۴)امام حسن بصری رحمہ اللہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء:۱/۱۶۱، تذکرۃ الحفاظ:۱/۵۷)

فائدہ:

یہاں سند میں حمید الطویل ہیں، ان کے متعلق شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کا اِقتباس پڑھتے جائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"راقم الحروف نے حافظ ابن حجر اور ابو بکر البردیجی وغیرہما پر اعتماد کرتے ہوئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے حمید الطویل کی کئی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیا تھا، لیکن اَب صحیح واسطہ اور خاص دلیل معلوم ہونے کے بعد رجوع کرتا ہوں اور صحیح یہ ہے کہ حمید کی انس رضی اللہ عنہ سے معنعن روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔"

(علمی مقالات:۵/۲۱۷)

یہاں یہ وضاحت مطلوب ہے کہ علی زئی صاحب نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے حمید الطویل کو مدلس بتایا اور اس کی تدلیس کو مدار بنا کر کئی حدیثوں کی تضعیف کر دی۔ غیر مقلدین کے ہاں یہ طرز عمل تقلید کہلائے گا یا کچھ اور؟

(۹) امام حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ کا اثر

رَوَى الْإِمَامُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ حَمَّادٍ مِثْلَ قَوْلِهِمْ يَعْنِيْ اِذَا طَلَّقَ الْبِكْرَ ثَلَاثًا فَجَمَعَهَا لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ فَرَّقَهَا بَانَتْ بِالْاُوْلٰى وَلَمْ تَكُنِ الْاُخْرَيَانِ شَيْئًا۔

(مصنف عبد الرزاق:۶/۳۳۷، حدیث:۱۱۰۸۶)

ترجمہ: حماد نے فرمایا: جب آدمی اپنی کنواری بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دیں تو وہ اس کے حلال نہیں یہاں تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔ پس اگر وہ اسے الگ الگ طلاقیں دے تو پہلی طلاق کے ساتھ جدا ہو جائے گی اور دوسری دو واقع نہیں ہوں گی۔

تحقیق السند

(۱) امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کے ثقہ ہونے کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

(۲) امام سفیان بن عیینہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء:۱/۲۲۴، تذکرۃ الحفاظ:۱/۱۹۳)

(۳)مسعر بن کدام الکوفی، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الاسماء:۲/۸۹، تذکرۃ الحفاظ:۱/۱۴۱)

(۴)امام حماد بن ابی سلیمان، صحیح بخاری معلقا، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تہذیب الکمال:۷/۲۷۹، سیر اعلام النبلاء:۵/۲۳۱)

فائدہ:

سند میں سفیان بن عیینہ کا عنعنہ ہے۔اس کے متعلق غیر مقلدین کی کتابوں کے حوالے پڑھ لیں۔

مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں ان کے پانچ مراتب بیان کئے ہیں(۱) جس سے بہت کم تدلیس ثابت ہو جیسے یحی بن سعید انصاری ہیں۔(۲) جس کی تدلیس کو ائمہ حدیث نے برداشت کیا ہو اور اپنی صحیح میں اس سے روایت بیان کی ہو کیوں کہ اس کی تدلیس اس کی مرویات کے مقابلہ میں کم ہے۔ اور وہ فی نفسہ امام ہے جیسے ثوری۔یا وہ ثقہ سے ہی تدلیس کرتا ہے جیسے کہ ابن عیینہ ہے۔"

(خیر الکلام صفحہ ۷۴،ناشر: مکتبہ نعمانیہ گوجرانوالہ، سن اشاعت: جنوری/۲۰۰۲ء)

گوندلوی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"دوسرے طبقہ کے مدلسین کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ائمہ حدیث نے ان کی تدلیس برداشت کی ہے ۔ اور ان کی حدیث صحیح سمجھی ہے کیوں کہ یہ لوگ امام تھے اور تدلیس کم کرتے تھے جیسے امام ثوری ہیں یا صرف ثقہ سے تدلیس کرتے تھے جیسے ابن عیینہ ہیں۔ طبقات المدلسین ص ۲۔"

(خیر الکلام صفحہ ۲۱۴،ناشر: مکتبہ نعمانیہ گوجرانوالہ، سن اشاعت: جنوری/۲۰۰۲ء)

شیخ محمد خبیب اثری نے امام ابن حبان رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

"ان کے ہاں جو مدلس صرف ثقہ راوی سے تدلیس کرتا ہے،اس کی روایت سماع کی

تصریح کے بغیر بھی قبول کی جائے گی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ایسا مدلس جس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ صرف ثقہ ہی سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت عدم صراحت سماع کے باوجود قبول کی جائے گی۔ دنیا میں صرف سفیان بن عیینہ ایسے راوی ہیں، جو ثقہ متقن سے تدلیس کرتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ کی کوئی حدیث ایسی نہیں ہے، جس میں وہ تدلیس کریں اور اسی حدیث میں ان کے اپنے جیسے ثقہ راوی سے سماع کی وضاحت موجود ہوتی ہے۔ (مقدمہ صحیح ابن حبان: ۱/۹۰، الاحسان)"

(مقالاتِ اثریہ صفحہ ۲۰۸)

(۱۰) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اثر

رَوَى الْإِمَامُ الْمُحَدِّثُ الْفَقِيْهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِيُّ بَابُ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا ...طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ ثَلَاثًا قَبْلَ اَن يَّدْخِلَ بِهَا ...لَا يَنْكِحُهَا حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِهٰذَا نَاخُذُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَالْعَامَّةِ مِنْ فُقَهَائِنَا اَنَّهٗ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا جَمِيْعًا فَوَقَعْنَ عَلَيْهَا جَمِيْعًا مَعًا۔

(مؤطا امام محمد: ۱/۱۹۶)

ترجمہ: جب آدمی اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دے چھوڑے تو وہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا یہاں تک وہ عورت دوسرے خاوند سے شادی کر لے۔ محمد نے کہا اسی بات کو ہم لیتے ہیں اور یہی ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے کہ اس نے تین طلاقیں اکھٹی دیں تو وہ سب ایک ساتھ میں واقع ہو جائیں گی۔

تحقیق السند

(۱) امام محمد بن حسن شیبانی، یہ مشہور جلیل القدر فقیہ، امام ثقہ وصدوق، شیخ الاسلام ہیں۔

(تاریخ الاسلام: ۲/۳۵۸، النجوم الزاہرۃ: ۲/۱۳۰، تاریخ بغداد: ۲/۵۶۱)

(۲) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعی مشہور امام ہیں ترمذی اور نسائی کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/۱۶۷، سیر اعلام النبلاء: ۶/۳۹۰، تہذیب الکمال للمزی: ۹/۴۱۷، تہذیب لابن حجر: ۱۰/۴۴۹، تقریب التہذیب لابن حجر: ۱/۵۶۳)

فائدہ:۱

امام محمد رحمہ اللہ کی ثقاہت اور ان کا مقام غیر مقلدین کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ عبد الرحمن معلمی (م:۱۳۸۶ھ) لکھتے ہیں:

"وَاَنَّ مُحَمَّدًا كَانَ مَع مَكَانَتِهٖ مِنَ الْفِقْهِ وَالسُّنَنِ وَالْمَنْزَلَةِ مَنَ الدَّوْلَةِ وَكَثْرَةِ الْاِتِّبَا عِ عَلٰى غَايَةٍ مِّنَ الْاِنْصَافِ فِى الْبَحْثِ وَالنَّظْرِ۔"

(التنکیل:۱/۴۲۳)

ترجمہ: امام محمد کو فقہ اور سنت میں ایک مقام حاصل تھا، نیز آپ حکومت کے ہاں قدر و منزلت اور بکثرت اپنے پیروکار بھی رکھتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود بحث و نظر میں آپ انتہائی درجہ کے انصاف پسند تھے۔

معلمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"فَاَمَّا مُحَمَّدُبْنُ الْحَسَنِ فَهُوَ اَجَلُّ وَاَفْضَلُ مِمَّا يَتَرَءٰ ى ُ۔"

(حوالہ مذکورہ:۱/۴۹۲)

ترجمہ: امام محمد بن حسن کا انتہاء جلیل القدر اور افضل ہونا شک وشبہ سے بالا ہے۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے شیخ معلمی کو "ذہبی عصر حقا" کا لقب درجہ دیا ہے۔

علامہ جمال الدین القاسمی الدمشقی (م:۱۳۳۲ھ) امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کی بابت لکھتے ہیں:

"فَقَدْ لَيَّنَهُمَا اَهْلُ الْحَدِيْثِ كَمَا تَرٰى فِىْ "مِيْزَانِ الْاِعْتِدَالِ" وَلَعُمْرِىْ لَمْ يُنْصِفُوْهُمَا، وَهُمَا الْبَحْرَانِ الزَّاخِرَانِ ،وَآثَارُهُمَا تَشْهَدُ بِسِعَةِ عِلْمِهِمَا وَتَبَحُّرِهِمَا بَلْ بِتَقَدُّمِهِمَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ ،وَنَاهِيْكَ "كِتَابُ الْخِرَاجِ " لِاَبِىْ يُوْسُفَ وَمُؤَطَّا لِلْاِمَامِ مُحَمَّدٍ۔"

(الجرح والتعدیل صفحہ ۳۱، طبع مؤسسہ الرسالۃ بیروت)

ترجمہ: امام ابو یوسف اور امام محمد کو (بعض) محدثین نے کمزور قرار دیا ہے جیسا کہ آپ نے "میزان الاعتدال" میں دیکھا ہے، میری عمر (عطاء کرنے والے) کی قسم! ان محدثین نے ان

دونوں اماموں کے ساتھ انصاف نہیں کیا حالاں کہ یہ دونوں علم کے موجزن سمندر رہیں، اور ان کے آثار (روایات) ان کی وسعت علم اور ان کے تبحر علمی پر گواہ ہیں۔ بلکہ اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ دونوں حضرات اکثر حفاظِ حدیث پہ فوقیت رکھتے ہیں، آپ کو (ان دونوں کے علمی مرتبے کو پہنچاننے کے لیے) امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" اور امام محمد کی "موطا" ہی کافی ہیں۔

شیخ ناصر الدین البانی نے امام محمد کی روایت کردہ حدیث کی سند کے متعلق لکھا:

"فَهَذَا سَنَدٌ حَسَنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔"

(ارواء الغلیل: ۳۳۶۳)

ترجمہ: اس حدیث کی سند ان شاء اللہ حسن ہے۔

شیخ زبیر علی زئی نے شیخ البانی کو "امام المحدثین" کہا ہے۔

(حاشیہ: عبادات میں بدعات صفحہ ۱۲۸)

نامور غیر مقلد نواب صدیق حسن خان نے بھی اپنی کتاب "التاج المکلل" میں امام محمد کے علمی مقام اور آپ کی تصانیف کی بڑی تعریف کی ہے۔ دیکھئے التاج المکلل من جواھر مآثر الطراز الآخر والاول۔ (صفحہ ۸۰)

واضح رہے کہ نواب صاحب کی یہ کتاب علمِ حدیث میں مہارت رکھنے والے اہل علم کے تذکرے پر مشتمل ہے جیسا کہ خود انہوں نے اس کتاب کے مقدمہ میں تصریح کی ہے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی (م: ۱۳۷۵ھ) اپنی کتاب "علمائے اسلام" میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"آپ سے بہت لوگوں نے فیض حاصل کیا اور آپ کے شاگرد امامت کے بلند رتبوں تک پہنچے۔ چنانچہ ان میں سے امام ابو یوسف قاضی القضاۃ، اور امام محمد، امام عبد اللہ بن مبارک اور زفر وغیرہم جلیل الشان امام آپ کے علمی کمالات کے نمونے تھے۔"

(دوماہی مجلہ ""زمزم" غازی پوری ج:۸، ش۳، ص ۱۵)

مولانا محمد اسماعیل سلفی (م:۱۳۸۷ھ) سابق امیر جمعیت اہلِ حدیث پاکستان نے امام ابو یوسف اور امام محمد کو امام بخاری وغیرہ کبار ائمہ حدیث کے ساتھ شمار کرتے ہوئے لکھا:

"ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابو عبد الرحمن اوزاعی، ابو یوسف، محمد یہ سب اہلِ حدیث کے مجتہد ہیں۔"

(تحریک آزادی فکر صفحہ ۴۹۰)

نیز مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"امام محمد تو اکابر ائمہ سنت (میں سے) ہیں۔"

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۸۰)

مولانا عطاء اللہ حنیف نے امام ابو یوسف اور آپ کو ائمہ سلف میں شمار کرتے ہیں، اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ:

"یہ دونوں امام ابو حنیفہؒ کے قابل شاگرد تھے۔"

(حاشیہ حیات حضرت امام ابو حنیفہ صفحہ ۳۲۸)

امام محمد رحمہ اللہ کی توثیق کے مذکورہ بالا حوالے بندہ نے حافظ ظہور احمد الحسینی دام ظلہ کی کتاب "تلامذہ امام اعظم ابو حنیفہ" سے نقل کئے ہیں۔

فائدہ:۲

یہاں سیدنا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تذکرہ تابعی ہونے کی حیثیت سے آیا ہے۔ ان کی تابعیت پر حافظ ظہور احمد الحسینی دام ظلہ کی کتاب "امام ابو حنیفہؒ کی تابعیت" کا مطالعہ کریں۔

متعدد غیر مقلدین نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تابعی ہونے کا اعتراف کیا ہے مثلاً:

مولانا بدیع الدین راشدی۔ (تنقیدِ سدید صفحہ ۲۷۸،۳۵۴)

مولانا امین اللہ پشاوری۔ (حقیقة التقلید صفحہ ۶۷، ۴۲، ۱۶۳)

مولانا عبد الغفار محمدی۔ (۳۵۰ سوالات صفحہ ۲۹۳، ۳۱۲، ۴۰۷)

مولانا عبد المنان نور پوری۔ (مکالماتِ نور پوری صفحہ ۵۳۴)

مولانا عبد المجید سوہدری۔ (سیرۃِ ثنائی صفحہ ۵۶)

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔ (حاشیہ حیات امام ابو حنیفہ صفحہ ۱۲۱)

مزید حوالہ جات بندہ کی زیر ترتیب کتاب ''غیر مقلدین کا امام ابو حنیفہ ؒ کو خراجِ تحسین'' میں درج ہیں۔ یہ کتاب مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ میں قسط وار شائع ہو رہی ہے والحمد للہ۔

(جاری)

==========

علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب حفظہ اللہ (ماخوذ از دروس مناظرہ)

اہل بدعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم اطہر کے ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں

بدعتی نبی اکرم ﷺ کو جسم کے ساتھ حاضر و ناظر مانتے ہیں!

مولانا احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

”حضور اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں۔

ارشاد: اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ کی دعوت قبول کر سکتے ہیں ... امثال اگر ہوں گے تو جسم کے انکی روح پاک ان تمام اجسام سے متعلق ہو کر تصرف فرمائے گی تو از روئے روح و حقیقت وہی ایک ذات ہر جگہ موجود ہے۔ یہ بھی فہم ظاہر میں ورنہ سبع سنابل شریف میں حضرت سیدی فتح محمد قدس سرہ الشریف کا وقت واحد میں دس مجلسوں میں تشریف لے جانا تحریر فرمایا اور یہ کہ اس پر کسی نے عرض کی کہ حضرت نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرمالیا یہ کیونکر ہو سکے گا شیخ نے فرمایا کہ کرشن کنہا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو کیا تعجب ہے یہ ذکر فرمایا کیا یہ گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے باقی جگہ مثالیں حاشا بلکہ شیخ بذات خود ہر جگہ موجود تھے“

(ملفوظات، حصہ اول، ص113,114)

خط کشیدہ الفاظ اس بات کی صراحت ہے کہ فاضل بریلوی جسم مثالی یا روح کو ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں مانتے بلکہ اسی دنیاوی حقیقی جسم کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ اب یہاں رضاخانیوں کا اصول فٹ کریں جو کہتے ہیں کہ دیکھو شیطان کو جب علم غیب ہو سکتا ہے شیطان جب حاضر و ناظر ہو سکتا ہے تو حضور ﷺ کیوں نہیں؟ معاذ اللہ تو جب ایک ولی کا حاضر و ناظر ہونا اسی جسم کے ساتھ ہے تو نبی اکرم ﷺ کا بدرجہ اولی جسم کے ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا لازم آیا۔ ماقبل میں فیض احمد اویسی کی کشکول اویسی کے حوالے سے اس کی صراحت بھی ہو چکی ہے۔ نیز رضاخانی اللہ تعالی کو حاضر و ناظر ماننا بے دینی کہتے ہیں اس کی وجہ وہ لکھتے ہیں:

”وجہ یہ ہے کہ حاضر وہ ہے جو مکان میں ہو اور ناظر وہ ہے کہ جو آنکھ کی پتلی سے دیکھے اس معنی پر اللہ تعالی کیلئے ماننا یہ کفر صریح ہے کیونکہ اللہ تعالی مکانیت اور جسمانیت سے پاک ہے“۔

(ندائے یارسول اللہ، ص35,36، مکتبہ اویسیہ بہاولپور)

نبیرہ اعلیٰ حضرت مولوی مفتی اختر رضاخان ازہری صاحب اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر کہنے سے متعلق لکھتے ہیں:

”جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت میں کسی کو شریک ماننا شرک ہے اسی طرح مخلوق کی صفت میں اللہ کی شرکت ماننا کفر ہے بحمدہ تعالیٰ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ حاضر وناظر کے معانی حقیقۃ اللہ کے شان نہیں۔ اس لیے کہ وہ تمام معانی لوازم اجسام ہیں“۔

(انوار رضا، ص113)

معلوم ہوا کہ جسمانیت حاضر وناظر کیلئے ضروری ہے اور حاضر وناظر کے تمام معانی جسم کے لوازم میں سے ہیں لہذا یہ محض فریب ہے کہ ہم حضور ﷺ کو جسم کے ساتھ ہر جگہ حاضر وناظر نہیں مانتے بلکہ رضاخانیوں کا یہی عقیدہ ہے مگر چونکہ یہ تقیہ میں رافضیوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں لہذا موقع ومقام کی مناسبت سے اپنا عقیدہ تبدیل کرنے، چھپانے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔

آپ کے غزالی ورازی جناب مولانا عمر اچھروی صاحب لکھتے ہیں:

”لہذا آپ محسنین کے قریب ہوئے معلوم ہوا جو نبی ﷺ کو اپنا قریب اور حاضر وناظر نہیں سمجھتے وہ محسنین میں سے نہیں ہیں اور نہ ان کی کوئی نیکی منظور ہے۔ قابل غور امر یہ ہے۔۔۔ تمام روئے زمین میں کروڑوں مرتے ہیں ہر ملک میں اور ہر ایک مردہ زندہ کرکے منکر نکیر ایک ہی وقت میں کروڑہا مقامات پر اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ بھی کروڑہا جگہ ایک ہی وقت میں تمام قبور میں پیش کئے جاتے ہیں اور اسی وقت ہی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں بھی آپ تشریف فرما ہوتے تھے ایک ہی وجود اطہر اللہ کے حکم سے بلا تجزی نفس وبلا تعدد ذات ایک ہی وقت میں کروڑہا جگہ حاضر وناظر ہونا ثابت ہوگیا۔ ایک ہی وقت میں روئے زمین پر بھی حاضر وناظر ہیں جو اپنے زائرین کو مختلفہ مقامات پر زیارت سے مشرف فرمارہے ہیں۔ اور تحت الارض بھی کروڑہا ملکوں بلا امتیاز زیارت کروارہے ہیں اور خوص کو بلانوم اور بلا مراقبہ بالمشافہ زیارت

سے سرفراز فرمارہے ہیں۔ جیسے قبور میں اہل قبور کے واسطے نبی ﷺ کا حاضر وناظر ہونا اور آپ کی پہچان پر فلاح کا دارومدار ہے اسی طرح فوق الارض بھی ہر اہل ایمان کے واسطے آپ کو حاضر وناظر سمجھنا کسوٹی ایمان ہے۔ بلکہ اگر آدمی کو سمندر میں مچھلیاں نگل جائیں اور غذا بنالیں تو وہاں بھی نکیرین آپ ہی کی ذات بابرکات کو جو نفس کے واپس آنے سے اولی تر ہیں انہی کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اب عالم برزخ میں بھی آپ کا حاضر وناظر ہونا عالم دنیا میں بھی اور عالم ملکوت میں بھی اور لامکان میں بھی اور روضہ اطہر پر جانے والوں کو بھی سوال کا جواب وہیں فرماتے ہیں اور جنت پر تخت نشین بھی ہیں اور ہر مقام پر سونے والے اولیائے کرام کو بھی اپنی زیارت سے مشرف فرماتے ہیں"۔

(مقیاس حنفیت، ص277)

یہ عبارت چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ بدعتی ہر جگہ نبی کریم ﷺ کو جسم کے ساتھ بنا تجزی وتعدد حاضر ناظر مانتے ہیں۔ گویا ایک ہی جسم تمام کائنات کو گھیرا ہوا ہے۔ لیجئے جسم کے ساتھ اس سے بھی صریح حوالہ ملاحظہ ہو اچھروی صاحب بارہویں صدی ہجری کے ایک مولوی کی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"بلاشک آپ کے جسم اطہر سے نہ کوئی زمانہ خالی ہے نہ کوئی جگہ نہ محل اور نہ مکان نہ عرش نہ کرسی نہ قلم نہ جنگل نہ دریا نہ نرم زمین نہ سخت زمین اور نہ برزخ اور نہ قبر"۔

(مقیاس حنفیت، ص286)

کیا اب بھی کوئی شک وشبہ ہے کہ اہل بدعت نبی کریم ﷺ کو تمام کائنات میں بجسدہ حاضر وناظر مانتے ہیں۔ اسی قول کی تائید میں ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو کہ عمر اچھروی صاحب پر ایک اعتراض ہوا کہ کیا نبی اکرم ﷺ کو معاذ اللہ تم لوگ بری اور گندی جگہوں پر بھی حاضر وناظر مانتے ہو؟ اب اصولاً اس کا جواب دینا چاہئے تھا کہ نہیں کیونکہ حضور ﷺ تو قبر مبارک میں تشریف فرما ہیں مگر اچھروی صاحب کہتے ہیں:

"کیا اللہ تعالی کو ان برے مقامات پر موجود اور سمیع وبصیر سمجھتے ہو یا نہیں جیسا کہ اللہ تعالی پاک کی نسبت ان برے مقامات پر باوجود موجودیت کے نسبت کرنا گستاخی وکفر ہے کیونکہ ان کو ان مقامات سے نفرت ہے اسی طرح نبی ﷺ بھی حاضر وناظر تو ہیں اور اس کو جاننے والے بھی ہیں

اور آپ کی شہادت بھی ان مقامات پر ضرور ہو گی لیکن بوجہ آپ کی ذات پاک ہونے کے ان مقامات متنفرہ کی طرف منسوب کرنا عین گستاخی ہے اور ایمان سے بعید ہے"۔

(مقیاس حنفیت، ص279)

یعنی نقل کفر کفر نہ باشد بقول اچھروی صاحب حضور ﷺ ان تمام گندی غلیظ جگہوں میں موجود تو ہیں سب کچھ دیکھ بھی رہے ہیں لیکن اس کی نسبت کرنا گستاخی ہے۔ یہ ہے وہ غلیظ گستاخانہ کفریہ عقیدہ جو ہم سے عشق کی آڑ میں منوانا چاہ رہے ہیں۔ باقی یہ بھی اچھروی صاحب کا دھوکا ہے کہ ہم ان مقامات میں معاذ اللہ اللہ کو موجود مانتے ہیں یہ تو تجسیم ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ موجود بلا مکان ہے تمام جگہوں سے اللہ کا علم متعلق ہے جو معیت ذاتیہ بلا کیف کے منافی نہیں اسی پر اجماع ہے اور یہی اہلسنت کا نظریہ ہے۔ نیز حضور ﷺ کی ذات کو اللہ کی ذات و افعال پر قیاس کرنا بھی مستقل گمراہی ہے اللہ کی ذات توفعال لمایرید ہےلایسئل عما یفعل و هم یسئلون ہے۔

بدعتی نباض قوم مفتی ابو داود صادق لکھتا ہے:

"شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہما نے نقل فرمایا کہ حدیث معراج سے جسم واحد کا بیک وقت متعدد مقامات پر موجود ہونا ثابت ہوا علامہ یوسف نبہانی نے شیخ علی حلبی رحمۃ اللہ علیہما سے نقل فرمایا کہ جب دیگر انبیا کی یہ شان ہے تو امام الانبیا محمد رسول اللہ ﷺ کا ہر مکان میں موجود و حاضر ہونا بدرجہ اولی ثابت ہوا"۔

(براہین صادق، ص75)

یہ حوالہ بھی اس باب میں صراحت ہے کہ رضاخانی جسم اقدس ﷺ ہی کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ یہ کہنا کہ قبر مبارک سے آپ ﷺ پر اعمال پیش کئے جاتے ہیں یہ معنی ہے حاضر و ناظر کا یہ بالکل اپنے مسلک کو مسخ کرنا ہے اس پر ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو یہی ابو داود صادق لکھتا ہے:

"معلوم ہوا کہ جیسے روح جسم کے ہر حصہ سے قریب و متعلق ہے اسی طرح سرکار بھی اپنے ہر مومن غلام کیلئے قریب و حاضر ہیں اور اس کی ہر تکلیف سے باخبر ہیں"۔

(براہین صادق، ص72)

یہ حوالہ بین دلیل ہے کہ جیسے روح ہر جسم کے ساتھ ہے اور اس میں ایک تعلق تدبیر کا ہے اسی طرح تمام مومنین کے ساتھ حضور ﷺ حاضر ہیں اور ان کے امور سے باخبر ہوتے ہوئے تصرف فرمارہے ہیں۔

جسم کے ساتھ ہر جگہ حاضر وناظر ہونے پر ایک اور طرز ملاحظہ ہو مفتی فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں:

"حاضر وہ ہے جو مکان میں ہے"۔

(ندائے یارسول اللہ ﷺ، ص35)

پھر آگے لکھتے ہیں:

"حاضر کہتے ہیں جو پہلے غائب ہو پھر کسی جگہ آئے"۔

(ندائے یارسول اللہ ﷺ، ص38)

حاضر کہتے ہی اسے ہیں جو کسی جگہ میں ہو تو ہر جگہ حاضر وناظر کا معنی یہی ہوا کہ حضور ﷺ ہر جگہ ہر مکان میں موجود ہیں اور مکان میں ہونا جسم کا خاصہ ہے لہذا معلوم یہی ہوا کہ حضور ﷺ ہر جگہ جسم کے ساتھ حاضر وناظر ہیں۔ مولانا سعید اسد صاحب کا صرف قبر مبارک میں نبی کریم ﷺ کو ماننا اپنا ہی مذہب مسخ کرنا ہے۔ یاد رہے کہ مکان میں جسم ہوتا ہے خواہ جسم تعلیمی ہو یا جسم طبعی۔

اگر اب بھی سعید اسد صاحب نہیں مانتے تو ہم ان کے ابا جان کا حوالہ ان کے سامنے پیش کردیتے ہیں موصوف کے ابا جی مفتی امین صاحب لکھتے ہیں:

"بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضور ﷺ صرف روح کے ساتھ حاضر وناظر ہیں یہ خیال صحیح نہیں بلکہ سید دوعالم ﷺ اپنے حقیقی جسم مبارک کے ساتھ حاضر وناظر ہیں"

(حاضر وناظر رسول ﷺ، ص93)

محترم محمد مدثر علی راؤ صاحب حفظہ اللہ (قسط:۱)

مسئلہ تکفیر پر فکر غامدی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

دور حاضر کے معروف میڈیا سکالر جاوید احمد غامدی صاحب جو اپنے منفرد افکار و نظریات کی بدولت ورقی و برقی میڈیا پر اکثر تنقید کی زد میں رہتے ہیں۔ ویسے تو موصوف درجنوں معاملات میں امت مسلمہ سے کٹے ہوئے ہیں لیکن فی الوقت ہم مسئلہ تکفیر کے حوالے سے ان کے نقطہ نظر کا جائزہ لیں گے۔ ویسے تو اس حوالے سے غامدی صاحب کا لٹریچر ہی ہمارے لیے کافی تھا لیکن غامدی صاحب کے معتقدین کا ہمیشہ سے یہ شکوہ رہتا ہے کہ غامدی صاحب کے بیانیے کو سمجھنے کے لیے یوٹیوب پر انکے ریکارڈ کروائے گئے ۲۳ اعتراضات کی سیریز کو پہلے سنا جائے پھر ان پر تنقید کی جائے لہٰذا ہم نے اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے مسئلہ تک-فیر پر غامدی صاحب کے ریکارڈ کروائے گئے چاروں لیکچرز مکمل سننے کے بعد اسکا حاصل نکات کی صورت میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

.... دین سے انحراف کے دو ہی طریقے ہیں کفر اور شرک

.... کفر کا لغوی معنی انکار کرنا اور معروف معنی ناشکری کرنے کے ہیں۔

.... قرآن مجید میں کفر کا لغوی اور اصطلاح دونوں معنی استعمال ہوئے ہیں۔

.... دین کا جزوی طور پر انکار کرنا کفر کا اصطلاح معنی کہلاتا ہے۔

.... قرآن میں اسکے دو طرح سے استعمالات ہوئے ہیں ایک کفر اور دوسرا کافر۔

.... کفر کی مثال قرآن میں الوہیت مسیح کے عقیدے کی طرح ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی دوسرے کو لاتا ہے تو یہ کفر کہلائے گا جسکا اللہ نے ہمیں بتایا ہے کہ اطلاقی طور پر کفر کیا ہوتا ہے۔

.... اسی طرح کافرون کا لفظ استعمال کر کے قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ کیا چیزیں ایسی ہیں جو آدمی کو اللہ کے سامنے کافر بنا دیتی ہیں۔

.... قرآن کے مطابق جو شخص اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتا وہ کافر ہو گا۔

.... قرآن مجید نے جیسے ہمیں یہ بتایا ہے کہ کافر کسے کہتے ہیں اسی طرح اس کے مخاطبین کے متعلق بھی اس لفظ کا

اطلاق کیا ہے۔ اہل کتاب پر بھی اور مشرکین پر بھی۔ فعل کی صورت میں بھی اور اسم فاعل اور صفت کی صورت میں بھی۔

.... کسی شخص یا گروہ پر فتوی کفر لگانے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ پہلی چیز یہ کہ وہ شخص خود اقرار کرلے کہ وہ کافر ہے جیسے چور اور زانی وغیرہ خود اقرار کرتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص یہ کہہ دے کہ میں پیغمبروں کو نہیں مانتا یا میں اسکا کافر ہوں تو ایسا شخص کافر کہلائے گا۔

.... چور اگر اپنے جرم کا انکار کر دے تو اسے مجرم نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ عدالت کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ اب اس کی تحقیق کرے اور اس پر اتمام حجت کرے اس کے بعد جب قاضی فیصلہ سناتا ہے تو پھر آپکو اسے چور کہنے کا حق ملتا ہے۔

.... چور یا زانی کی سزا کا نفاذ اس کے اعتراف کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

.... کسی کی تکفیر کے لیے اس پر اتمام حجت ہونا ضروری ہے جو کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد نہیں ہو سکتا۔

.... مسیحی، ہندو، مشرک وغیرہ یہ سب غیر مسلم ہیں کیونکہ ان تک دین کی دعوت اس درجہ میں نہیں پہنچی اور نا ہی انہوں نے اسلام کا انکار کیا ہے۔

.... کسی کو زنا کرتا دیکھ کر اگر کوئی شخص اسے زانی کہے گا تو کہنے والے شخص پر اسی کوڑے برسائے جائیں گے۔

.... خود کو مسلمان کہنے والا ہر شخص چونکہ قرآن وحدیث سے ہی اپنا استدلال پیش کرتا ہے لہٰذا ہم اپنے فہم کے اختلاف کی وجہ سے کسی پر فتوی نہیں لگا سکتے کیونکہ دوسرا شخص بھی وہیں سے استدلال کر رہا ہے جہاں سے آپ اور ہم استدلال کر رہے ہیں۔

.... کسی شخص کے باطن کا ہمیں علم نہیں اسکا علم صرف اللہ اور اس کے رسول کو بذریعہ وحی کے ہو سکتا ہے اور چونکہ اب وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے تو اب ہم میں سے کسی شخص کو بھی کسی دوسرے کے باطن کا علم نہیں لہٰذا ہم کسی کی تکفیر نہیں کر سکتے۔

.... صوفیاء پر ذہنی اختلال کی کیفیت اور انکو اپنے نفس سے مشاہدات ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس کی بنیاد پر اکثر لوگ عجیب وغریب دعوے کر دیتے ہیں لہٰذا ان کے باطن میں ہونے والے معاملات کی وجہ سے ہمیں انکی کیفیت

کا صحیح سے علم نہیں ہوتا اس لیے ہم انکی تکفیر نہیں کر سکتے۔

.... دوسرے جرائم کے لیے اللہ نے ہمیں قرآن میں سزائیں وغیرہ بتائی ہیں اور انکا قانون بتایا ہے جس کا ہمیں حق دیا گیا ہے لیکن کسی پر فتوی کفر لگانے کا حق اللہ نے ہمیں کہیں پر بھی نہیں دیا کہ جس کے لیے ہم خود سے اپنی عدالت لگا کر کسی کو کافر قرار دے دیں۔

.... کسی کے جھوٹے ہونے کا فیصلہ بھی ہم نہیں کر سکتے۔

.... جب کوئی شخص اپنی ذات کے متعلق جھوٹ بولے گا تو وہ گناہ گار ہو گا لیکن جب وہ کسی دوسرے کی ذات کے متعلق جھوٹ بولے گا تو پھر وہ اسکا گناہگار ہونے کے ساتھ اسکا مجرم بھی ٹھہرے گا اور اب اس سے اسکا جواب مانگا جائے گا یہی کام ہمارے محدثین نے بھی کیا ہے کہ جن راویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات پر جھوٹ باندھا تھا ان کے متعلق کذاب ہونے کا حکم لگایا ہے۔

.... جو شخص دعوی نبوت کرے تو ایسے شخص کی تکفیر کرنے کی بجائے اسکا علاج کروانا چاہیے کیونکہ ایسے شخص کو علاج کی ضرورت ہے۔

.... اگر بالفرض کوئی شخص کہے کہ میں اللہ کو نہیں مانتا لیکن میں مسلمان ہوں تو ایسے شخص کو بھی علاج کی ضرورت ہے۔

.... صحابہ کرام میں بارہ منافق کو منافق اس لیے کہا گیا تاکہ لوگ محتاط رہیں۔

.... قرآن نے جہاں پر کسی کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں تو وہاں پر بھی کسی کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا۔

قارئین کرام!

یہ تھے وہ چند نکات جو غامدی صاحب کے چاروں لیکچرز کا نچوڑ ہیں اس کے علاوہ غامدی صاحب نے [سورۃ الاعراف آیت ۷۵، سورۃ ابراہیم آیت ۹، سورۃ حمٰ سجدہ آیت ۱۳، سورۃ زخرف آیت ۲۰، سورۃ الحجرات آیت ۱۱، سورۃ الممتحنہ آیت ۱۰، خطبہ حجۃ الوداع، صحیح مسلم رقم الحدیث ۹۶، عکرمہ و مجاہد اور طبری کی تفسیر اور صحیح بخاری رقم الحدیث ۶۱۰۴] کو بھی اپنے مؤقف کی تائید میں بطور دلیل کے پیش کیا۔

قارئین کرام! غامدی صاحب کے مسئلہ تکفیر سے متعلق پیش کردہ دلائل اور انکا مکمل مؤقف ہم آپ کے سامنے نکات کی صورت میں پیش کر چکے اور انہیں پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ غامدی صاحب پر تنقید کرنے سے

پہلے انکا مکمل نقطہ نظر واضح ہو جائے تاکہ بعد میں غامدی صاحب کے معتقدین کو یہ شکوہ نہ رہے کہ ہم نے ان کے استاذ کے لیکچرز کو نہیں سنا اور ہمیں انکے مؤقف کی صحیح سمجھ نہیں لگی۔ اس کے علاوہ جو نکات ہم نے پیش کیے اسکا ایک اور مقصد یہ بھی تھا کہ اگر ہمیں کہیں جواب دیتے وقت غامدی صاحب کو الزامی جواب بھی دینا پڑے تو ہم غامدی صاحب کے اپنے ہی بیانیے کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں جواب دیں تاکہ انکی طرف سے کسی قسم کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔

غامدی صاحب کے نزدیک کسی شخص کی تکفیر نہ کرنے کے لیے بنیادی طور پر درج ذیل پانچ وجوہات ہیں۔

۱۔ کسی پر اتمام حجت کا نہ ہونا

۲۔ کسی کے باطن کا علم نہ ہونا

۳۔ اللہ اور رسول کی طرف سے ہمیں اسکی اجازت کا نہ ملنا

۴۔ خود کو مسلمان کہنے والے کا خود کو کا- فر نہ کہنا

۵۔ جو شخص اسلام سے نکل کر کسی اور دین میں چلا جائے اور خود کو کافر بھی نہ کہے تو ہم ایسے شخص کو صرف غیر مسلم کہیں گے نا کہ کافر کیونکہ وہ اسلام کا انکار نہیں کر رہا۔

یہ وہ چند بنیادی پانچ وجوہات ہیں جن کی بناء پر غامدی صاحب کسی شخص کی تکفیر کے قائل نہیں ہیں۔ ان درج بالا بنیادی وجوہات پر بات کرنے سے پہلے ہم آپ حضرات کی خدمت میں ایک نہایت ہی مضحکہ خیز بات رکھنا چاہیں گے جو شاید غامدی صاحب سے پہلے پچھلے چودہ سو سالوں میں کسی نے بھی نہ کی ہو۔

کفر کا لغوی معنی اور غامدی لطیفہ:

کفر کا لغوی معنی " انکار " کرنے کے ہیں اور خود غامدی صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن غامدی صاحب کے ہی مطابق

> "جو شخص مرتد ہو جائے یعنی اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کر لے تو ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ غیر مسلم کہا جائے گا کیونکہ وہ اسلام کا انکار نہیں کر رہا۔"

کیا یہ بات مضحکہ خیز نہیں کہ ایک شخص جو اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کر رہا ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ اسے اسلام کو چھوڑنے کے لیے اسکا انکار ہی کرنا پڑے گا اب بغیر انکار کیے وہ کیسے اسے چھوڑ سکتا ہے؟ لیکن

غامدی صاحب کے نزدیک ایسا شخص صرف غیر مسلم کہلائے گا کیونکہ اس نے اسلام کا انکار نہیں کیا۔ یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک مرتد شخص کو غامدی صاحب خود غیر مسلم بھی کہ رہے ہیں اور پھر بھی اسکے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ چونکہ اسلام کا انکار نہیں کر رہا تو ہم اسے کافر نہیں کہیں گے۔ جناب اگر وہ مرتد اسلام کا انکار ہی نہیں کر رہا تو پھر آپ اسے غیر مسلم کیوں کہ رہے ہیں؟ کیا غامدی صاحب کے نزدیک ایسا شخص ایک وقت میں دو ادیان پر عمل پیرا سمجھا جائے گا؟ کیونکہ وہ تو اسلام کا انکار ہی نہیں کر رہا! پھر جب ایسا شخص جو اسلام کا انکار بھی نہیں کر رہا اور وہ کسی دوسرے دین کو بھی اختیار کر رہا ہے تو سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب پھر کونسے اصول کے تحت ایسے شخص کو مرتد میں شمار کریں گے جبکہ بقول غامدی صاحب کے اس نے تو زبان سے اسلام کا انکار ہی نہیں کیا جبکہ اس شخص کا عمل ہی اسکے انکار کی دلیل ہے۔ کیا کبھی کوئی ایسا شخص بھی مرتد ہوا ہے جو ایک ہی وقت میں اسلام کا اقرار بھی کر رہا ہو اور ساتھ کسی دوسرے دین کو بھی اختیار کر رہا ہو؟

جب کفر کا لغوی معنی ہی انکار کرنا ہے تو پھر جو شخص بھی اسلام کو چھوڑے گا وہ کافر ہی سمجھا جائے گا کیونکہ ہر ایک عاقل اور ذی شعور انسان بخوبی جانتا ہے کہ کسی بھی دین کو چھوڑنے کے لیے اسکا انکار ہی کرنا پڑے گا اور دنیا میں کوئی بھی ایسا مرتد نہیں جو دین اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار بھی کرے اور ساتھ یہ بھی دعویٰ کرے کہ اسلام ہی سچا دین ہے اور میں اسکا ماننے والا ہوں۔ پھر صرف مرتد ہی نہیں بلکہ یہودی، نصرانی، بدھ مت اور اسی طرح دوسرے ادیان باطلہ میں سے وہ کون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کرتا ہو؟ جب ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ کو اللہ کا پیغمبر سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا تو پھر اس کی دوسری صورت انکار ہی ہوگی کہ یہ سب یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا انکار کرنے کے سبب کافر ہوئے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ کا انکار یعنی کفر کیا اور خود غامدی صاحب بھی مانتے ہیں کہ کفر کا لغوی معنی انکار کرنے کے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس پر بھی اہل غوامد کی طرف سے یہ شکوہ کر دیا جائے کہ ہم نے غامدی صاحب کے مؤقف کو صحیح سے سمجھا نہیں ہے اگر واقعی میں ایسا ہے تو ہماری درخواست ہے کہ مکتب غامدی اس گتھی کو ضرور سلجھائے جو کہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

غیر مسلم کی اصطلاح:

غامدی صاحب کے مطابق جو لوگ اسلام کا اقرار بھی نہیں کرتے اور انکار بھی نہیں کرتے بیشک وہ دین

اسلام کو چھوڑ چکے ہوں یہاں تک کہ وہ اللہ کا بھی انکار کر دیں تب بھی انہیں کا۔فر نہیں بلکہ غیر مسلم یعنی "نہ مسلم اور نہ کافر" کہا جائے گا اور یہ غامدی صاحب کی طرف سے ایک درمیانی اور تیسری قسم پیش کی گئی ہے۔

غامدی صاحب کی طرف سے پیش کردہ اس تیسری قسم "غیر مسلم" کے ثبوت پر غامدی صاحب نے ایک بھی ایسی آیت پیش نہیں کی جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی ذکر کیا ہو جبکہ قرآن اس اصطلاح سے بالکل خالی ہے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان ایسی تیسری قسم کو شامل کرنا قرآن کی مخالفت کرنا ہے کیونکہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن"[سورۃ تغابن:۲]

ترجمہ البیان غامدی: وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔

غامدی صاحب اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

"مطلب یہ ہے کہ تمہارا خالق بھی وہی ہے جو کائنات کا خالق ہے، اِس لیے حق تو یہ تھا کہ تم بھی اُسی طرح اپنے خداوند کی تسبیح کرتے، جس طرح تمام کائنات کر رہی ہے، لیکن اُس نے تمھیں ارادہ و اختیار بخشا ہے تو اب اُس کا نتیجہ یہ ہے اور یہی ہونا تھا کہ (تم میں ماننے والے بھی ہیں اور نہ ماننے والے بھی)"

دیکھیے یہ آیت مبارکہ اپنے نفس مدعا میں کتنی واضح ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف مومن اور کافر یعنی بقول غامدی صاحب کی تفسیر کے "ماننے والے اور انکار کرنے والے" بتائے ہیں۔ اللہ نے مومن اور کافر کے علاوہ غیر مسلم جیسی کسی تیسری قسم کا کوئی ذکر ہی نہیں فرمایا لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ انسانی مخلوق میں صرف دو ہی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں مومن اور کافر اس کے علاوہ "نہ مومن نہ کافر یا غیر مسلم" جیسی تیسری کوئی قسم نہیں۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں دو طرح کے گروہوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ گروہ جسے "والذین کفروا "(وہ جنہوں نے کفر کیا) اور دوسرا وہ گروہ جسے "والذین اٰمنو "(وہ جو ایمان لائے) فرمایا گیا ہے۔

اس تیسرے گروہ یعنی غیر مسلم کا ذکر قرآن میں کہیں بھی نہیں ہوا یہ اصطلاح بس غامدی صاحب نے اپنی طرف سے اپنے باطل مؤقف کو تائید بخشنے کے لیے استعمال کی جبکہ حق تو یہ بنتا تھا کہ غامدی صاحب اس مسئلہ میں اپنی

طرف سے کوئی رائے شامل کرنے کی بجائے قرآن مجید سے اسکا کوئی ثبوت پیش کرتے۔

قارئین کرام! غیر مسلم کی اصطلاح کے متعلق ہم واضح کر چکے ہیں کہ قرآن اس اصطلاح سے بالکل خالی ہے یہ صرف غامدی صاحب ہی ہیں جو ایمان اور کفر کا درمیانی راستہ نکالے ہوئے ہیں یہاں تک کہ ملحدین جو کہ خدا کے انکاری ہیں انکے متعلق بھی غامدی صاحب کا یہی مؤقف ہے کہ انہیں بھی غیر مسلم ہی کہا جائے گا چناچہ غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ

> "یہی معاملہ اُن لوگوں کا ہے جو اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لیں یا سرے سے لامذہب ہو جائیں۔ اُن کے بارے میں بھی اِس کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ غیر مسلم ہو گئے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کسی پیدایشی مسلمان پر اسلام کی حقانیت کس قدر واضح تھی، اِس کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

[مقامات صفحہ ۲۲۸]

اتمام حجت نہ ہونے کی وجہ سے تکفیر کی ممانعت

غامدی صاحب نے قانون اتمام حجت کے تحت یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ دہریوں پر پوری طرح حق واضح ہوا یا نہیں لہٰذا ہم انکی تکفیر نہیں کر سکتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اب کس پر حق واضح ہوا یا نہیں اسکا علم صرف اللہ کو ہے ہمیں نہیں۔

قارئین کرام! جیسے غیر مسلم کی اصطلاح سے قرآن پاک مکمل خالی ٹھیک اسی طرح تکفیر سے متعلق اتمام حجت جیسے قانون سے بھی قرآن مکمل طور پر خالی ہے یہ صرف غامدی صاحب کا اپنا ہی اجتہاد ہے جس کی بنیاد پر وہ یہ اصول قائم کر رہے ہیں اور اس پر انکے پاس کوئی نص موجود نہیں بلکہ غامدی صاحب کا یہ اصول قرآن مجید کے بالکل مخالف ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

> "(اے پیغمبر)، اِنھیں وہ وقت بھی یاد دلاؤ، جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی نسل کو نکالا اور اُنھیں خود اُن کے اوپر گواہ ٹھیرایا تھا۔ (اُس نے پوچھا تھا): کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اُنھوں نے جواب دیا: ہاں، (آپ ہی ہمارے رب ہیں)، ہم اِس کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اِس لیے کیا کہ قیامت کے دن تم کہیں یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اِس بات سے بے خبر

ہی رہے۔ یا اپنا یہ عذر پیش کرو کہ شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے پہلے سے کر رکھی تھی اور ہم بعد کو اُن کی اولاد ہوئے ہیں، پھر کیا آپ اِن غلط کاروں کے عمل کی پاداش میں ہمیں ہلاک کریں گے؟ ہم اِسی طرح اپنی آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں، اِس لیے کہ لوگوں پر حجت قائم ہو اور اِس لیے کہ وہ رجوع کریں۔"

[ترجمہ البیان غامدی](سورۃ الاعراف:۱۷۲-۱۷۴)

دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کس قدر محکم ہے جس کے مطابق ملحدوں اور مشرکوں پر اتمام حجت ہو چکا اور اللہ پاک نے تمام بنی نوع انسان کو یہ بات پہلے ہی بتا دی تھی کہ ان کا رب اللہ ہے لہٰذا یہ بات ملحدوں اور مشرکوں کے لیے روز محشر قاطع اعذار ہو گی اور اب اس دنیا میں ان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں کہ وہ اللہ کا انکار کریں۔

اس کے علاوہ ملحدین کے متعلق ایک عام شخص بھی یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ ملحد کا خدا کے وجود کا انکار کرنا ہی اس کو بطور ملحد کے متعارف کرواتا ہے اور کفر کا لغوی معنیٰ انکار کرنے کے ہیں جو کہ غامدی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں تو خدا کا انکار کرنے کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ہم ایسے منکر کو کافر نہ کہیں جبکہ وہ شخص ہمارے سامنے خدا کا انکار بھی کر رہا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد اب تکفیر کا دروازہ بند ہو چکا

غامدی صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد اب تکفیر کی دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا کیونکہ جب تک رسول اللہ دنیا میں موجود تھے تب تک لوگوں پر حجت تمام ہو رہی تھی لیکن اب رسول اللہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اتمام حجت نہ ہونے کی وجہ سے ہم کسی کی تکفیر بھی نہیں کر سکتے لیکن قرآن اسکی نفی کرتا ہے جیسا کہ سورۃ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

"(اُن کا دین اب یہی ہے کہ) یہودی کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ اُن کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ وہ اُنھی منکروں (یعنی کافروں...ناقل) کی سی بات کہہ رہے ہیں جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اُن پر خدا کی مار، وہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔ اللہ کے سوا اُنھوں نے اپنے فقیہوں اور راہبوں کو رب بنا ڈالا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ دراں حالیکہ اُنھیں ایک ہی معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہ

پاک ہے اُن چیزوں سے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔"

[ترجمہ البیان غامدی]((سورۃ توبہ:30)

دیکھیے یہاں ماضی کے ان عیسائیوں پر بھی کفر کا اطلاق کیا جارہا ہے جن پر کسی نبی کے ذریعے حجت تمام نہ ہوئی تھی یعنی عیسائیوں نے عقیدہ تثلیث وغیرہ تو حضرت عیسی علیہ سلام کے بعد ایجاد کیا اور ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک عیسائیوں میں کوئی نبی بھی مبعوث نہ ہوا مگر اس کے باوجود جن عیسائیوں نے یہ عقیدہ گھڑا ان کے اس عقیدے کو بھی قرآن نے واضح الفاظ میں "کفر" کہا جس سے ثابت ہوا کہ تکفیر کے لیے غامدی صاحب کا قانون اتمام حجت لاگو ہونا ضروری نہیں جیسا کہ وہ سمجھ بیٹھے ہیں۔

قارئین کرام! غامدی صاحب کے قانون اتمام حجت قرآن نے قرآن نے رد فرمادیا لیکن دلچسپ بات تو یہ ہے کہ غامدی صاحب نے اپنے لیکچرز میں دیگر آیات مبارکہ کو بطور استدلال کے پیش تو کیا لیکن سورۃ اعراف کی آیات ۱۷۲ - ۱۷۴ اور سورۃ توبہ کی آیت ۳۰ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا جب کہ یہ بہت ضروری تھا کہ غامدی صاحب ان آیات پر بھی روشنی ڈالتے۔ شاید موصوف کو اچھی طرح سے یہ علم تھا کہ ان آیات کی وجہ سے انکے بنائے گئے قانون اتمام حجت پر ضرب لگے گی تو اس لیے انہوں نے ان کی طرف نہ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

نوٹ: یہاں پر ہم ایک بات بالکل واضح کر دیں کہ اب تک ہم نے جو بحث کی ہے اس میں غامدی صاحب کے بنائے گئے خود ساختہ اصولوں کو قرآن سے رد کیا گیا ہے۔ ہم نے ابھی تک تکفیر کے جواز میں دلائل پیش نہیں کیے وہ ان شاء اللہ ہم آگے پیش کریں گے فی الحال ہم غامدی صاحب کے بنائے گئے اصولوں کو قرآن کی روشنی میں رد کر رہے ہیں جس سے ہمارا آدھا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

صوفیاء کرام کونسے گروہ میں ہیں؟ ایک غامدی مخمصہ!

قارئین کرام! یہ تو آپ جان چکے کہ غامدی صاحب کے نزدیک مومن، کافر کے علاوہ ایک تیسری قسم غیر مسلم کی بھی ہے اور اسی کے پیش نظر غامدی صاحب وہ پیدائشی مسلمان جو پیدا تو مسلمان ہی ہوئے تھے لیکن بعد میں گمراہ ہو کر کسی دوسرے مذہب میں چلے گئے یعنی مرتد ہو گئے ان کے متعلق بھی غامدی صاحب کا یہی کہنا ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی غیر مسلم ہی کہا جائے گا۔ لیکن غامدی صاحب شاید یہ بھول گئے کہ ایک ایسا گروہ بھی موجود ہے جو مسلمان ہونے کا مدعی بھی ہے اور وہ اسلام کو چھوڑ کر ایک الگ متوازی دین اختیار کر بیٹھے ہیں اور اپنی گمراہی

پر قرآن وحدیث سے ہی استدلال کرتے ہیں اور یہ گروہ صوفیاء کرام کا گروہ ہے اور یہ سب ہمارے نزدیک نہیں بلکہ غامدی صاحب کے نزدیک ہے جیسا کہ غامدی صاحب اپنی کتاب برہان میں لکھتے ہیں کہ

> "ہمارے ہاں تصوف کی اصطلاح رائج ہے۔ یہ اس دین کے اصول ومبادی سے بالکل مختلف ایک متوازی دین ہے جس کی دعوت قرآن مجید نے بنی آدم کو دی ہے۔"
>
> [برہان ایڈیشن ۲۰۱۸ صفحہ ۱۸۱]

پھر غامدی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

> "توحید کے باب میں یہی نقطہ نظر اپنشدوں کے شارح شری شنکر اچاریہ، شری رام نوج اچاریہ، حکیم فلوطین اور اسپینوزا کا ہے۔ مغرب کے حکما میں سے لاسر، فختے، ہیگل، شوپن ہاور اور بریڈلے بھی اسی سے متاثر ہیں۔ ان میں سے شری شنکر، فلوطین اور اسپنوزا وجودی اور رام نوج اچاریہ شہودی ہیں۔ گیتا میں شری کرشن نے بھی یہی تعلیم دی ہے۔ اپنشد، برہم سوتر، گیتا اور فصوص الحکم کو اس دین میں وہی حیثیت حاصل ہے جو نبیوں کے دین میں تورات، زبور، انجیل اور قرآن کو حاصل ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اللہ کی ہدایت، یعنی اسلام کے مقابلے میں تصوف وہ عالم گیر ضلالت ہے جس نے دنیا کے ذہین ترین لوگوں کو متاثر کیا ہے۔"
>
> [برہان ایڈیشن ۲۰۱۸ صفحہ ۱۹۲]

دیکھیے غامدی صاحب صوفیاء کرام کے متعلق کس قدر متشدد رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں کہ صوفیاء کرام کو کافروں کو صفوں میں شامل کرتے ہیں جس سے غامدی صاحب کا فکری انتشار واضح ہو جاتا ہے اور ہمارے نزدیک یہ صوفیاء کرام کی واضح تکفیر ہے جو غامدی صاحب کی طرف سے کی گئی ہے۔

اب اس صورتحال کے پیش نظر غامدی صاحب کے لیے جو مسئلہ کھڑا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غامدی صاحب اپنی کتاب "برہان" میں تو صوفیاء کرام کو اسلام کے مقابل ایک متوازی دین کا پیروکار قرار دے چکے ہیں جس کا مطلب ہے کہ صوفیاء کرام کو غیر مسلم والے گروہ میں شمار کرنا چاہیے کیونکہ وہ "دینِ تصوف" کو اختیار کر چکے ہیں جو عیسائیت اور یہودیت کی طرح اسلام کے متوازی دین ہے لہذا صوفیاء کرام کو اور اکثر امت کو ان پیدائشی مسلمانوں میں شامل ہونا چاہیے جو غیر مسلم (مرتد) ہو گئے یعنی یہودی، ہندو یا صوفی ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

غامدی صاحب کے نزدیک یہودیت اور ہندومت بھی اسلام کے متوازی اور مختلف دین ہیں اور تصوف بھی۔

اب دوسری جانب چونکہ صوفیاء کرام قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہیں لہذا انہیں پہلے گروہ میں یعنی مسلمانوں میں شامل ہونا چاہیے۔ اب اس تضاد کو کون حل کرے گا؟ یہ کیسی درجہ بندی ہے جس میں ایک فرد بیک وقت دو گروہوں میں شامل ہو رہا ہے؟ غامدی صاحب اس مخمصہ کو کیسے ختم کریں گے؟ عام طور پر یہ تضاد و انتشار اس صورت میں ہوتا ہے جب درجہ بندی کے مقاصد علمی ہونے کے بجائے سیاسی ہوں۔ بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ یہ درجہ بندی ایک سیاسی مقصد کو سامنے رکھ کر گھڑی گئی تھی یعنی قادیانیوں کو تک-فیر سے بچانے کے لیے ایک راہ ہموار کی جارہی تھی لیکن اس مقصد کو پورا کرتے کرتے فکر غامدی خود تضاد و انتشار کا شکار ہو گئی۔

(جاری)

علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب حفظہ اللہ

قربانی اور غریب

قربانی کے ایام میں بعض ملحدین یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اگر ہم بجائے کروڑوں روپوں کی قربانی کرنے کے بجائے یہ رقم غریبوں کو دے دیں تو اس سے کتنے گھر آباد ہو جائیں گے کچھ عرصہ قبل یہی اعتراض ایدھی صاحب نے بھی اٹھایا تھا۔ قربانی پر یہ اعتراض کرنا سراسر جہالت اور ذہنی پستی کا شاخسانہ ہے۔ حقیقت میں قربانی سے جتنا فائدہ غریب کو پہنچتا ہے کوئی دوسرا مذہب اور رفاعی ادارہ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مختصراً ملاحظہ ہو۔ سب سے پہلے قربانی کے جانور رکھنے کیلئے زمین درکار ہے لہذا زمین مالکان کا کاروبار شروع ہو جاتا ہے پھر اسے برابر کرنے کیلئے مٹی، بجری، پتھر کی ضرورت ہے کھدائی کیلئے مزدوروں مستریوں کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کا کاروبار ان سے وابستہ ہو جاتا ہے پھر ان سب کو بمع جانوروں کے پہنچانے کیلئے ٹرانسپورٹ کی ضرورت پیش آتی ہے تو ڈرائیورز اور کلینرز کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ صفائی کیلئے غریب خاکروبوں کی ڈیوٹیاں لگ جاتی ہیں۔ پانی، کھانا مہیا کرنے کیلئے باورچیوں، ویٹرز کا سبزی فروش، پھر فروشوں کا کام شروع ہو جاتا ہے، پھر جانوروں کی سجاوٹ کیلئے سالا سال فارغ بیٹھنے والوں کی چاندنی ہو جاتی ہے چنانچہ اخبارات کی مطابق اس سال[1] پندرہ کروڑ کا آرائشی سامان تو صرف کراچی منڈی میں بکے گا، پھر جانوروں کا چارہ بیچنے والوں ان کی کاشت کرنے والوں کا کاروبار ان کی کٹائی کرنے والے غریب کسانوں کی روزی، پھر جانوروں کو ذبح کرنے کیلئے چاقو چھری ٹوکا بنانے والے لوہاروں، تیز کرنے والے کاریگروں کا روزگار، پھر وہ قصائی جو عید میں فارغ ہوں گے جانوروں کو کاٹنے کیلئے ان کا کاروبار، پھر جانوروں کی چربی سے صابن بنانے والوں کا روزگار، پھر کھال لینے بیچنے والوں کا روزگار، پھر کھال پر نمک لگانے والوں کا روزگار، پھر کھال کی مصنوعات کا روزگار، غرض ان سب لاکھوں اربوں غریبوں کا روزگار و کاروبار اس ایک قربانی سے وابستہ ہے اس قربانی کی برکت سے غور کریں کتنے غریبوں کو گھر کو چولہا جل رہا ہے، مگر قربان جاؤں شریعت پر اسلام مزید کہتا ہے کہ بالفرض اگر اس سب میں بھی کوئی ایسا غریب رہ گیا جسے کوئی فائدہ نہ ہو تو اس کو قربانی کے گوشت کا ایک حصہ دو اس قربانی کی برکت سے پورا سال جس کو گوشت نصیب نہ ہوا وہ بھی

[1]۔۔ یہ مضمون پرانا ہے افادہ عام کیلئے مجلہ راہِ ہدایت میں شائع کیا جارہا ہے۔ دیوبندی

مزے سے بہترین پکوان سے لطف اندوز ہوتا ہے، غرض قربانی سے جتنا فائدہ غریبوں کو ہوتا ہے شائد ہی کسی دوسری عبادت سے ہو قربانی کی مخالفت کرنے والے دراصل خود غریبوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

نیز ان ملحدین کو قربانی تو نظر آجاتی ہے مگر لاکھوں کے موبائل، ٹی وی، ویسی آر سیٹ، پر کبھی غریب پروری کا خیال نہ آیا، ویلن ٹائن ڈے، نیو یر نائٹ جیسے فضول پروگراموں پر اربوں روپوں کی فضول خرچی پر کبھی غریب پروری کا خیال نہ آیا؟ معلوم ہوا کہ مسئلہ غریب کا نہیں مسئلہ اسلام کا ہے۔

علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب حفظہ اللہ (ماخوذ از دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد سوم)

عامی کی تبلیغ کے حوالے سے تبلیغی جماعت پر اعتراض کا جواب

(اعتراض ۳۳۶): سیفی اعتراض عامی تبلیغ نہیں کر سکتا پھر تمہارے تبلیغی جماعت والے غیر عالم عامی ہو کر کیوں بیان کرتے ہیں؟

جواب: یہ اعتراض جہالت و تعصب کا شاخسانہ ہے۔ لیکن اگر وہ کسی مستند کتاب یا عالم سے کوئی بیان اچھی طرح یاد کر کے کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور ہماری تبلیغی جماعت کی ترتیب بھی یہی ہوتی ہے چنانچہ حضرت مولانا عبد الرحیم لاجپوری صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ”غیر عالم کا وعظ کہنا ممنوع ہے لیکن تبلیغ جس کا دائرہ کار چھ نمبروں کے اندر محدود ہے اور ان چھ نمبروں سے متعلق جو کتاب تبلیغی اکابرین نے مرتب فرمائی ہے اسی کے اندر رہ کر دعوت دی جائے اور اس سے تجاوز کر کے اپنی طرف سے اضافہ اور استنباط نہ کیا جائے تو یہ کام واقف مسلمان کر سکتا ہے اس کیلئے عالم ہونا ضروری نہیں“۔
>
> (فتاوی رحیمیہ، ج ۳، ص ۱۶۰)

تبلیغ علماء کا کام ہے جاہل کا نہیں“ اس اعتراض کا جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

> ” یہ اعتراض دراصل ”تبلیغ“ و ”وعظ“ میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وعظ درحقیقت صرف عالموں کا کام ہے، جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں ہے، اس کے لئے عالم ہونا بہت ضروری ہے، تاکہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ شریعت کے موافق ہو، کوئی چیز اس میں قرآن و حدیث کے خلاف نہ کہی جا سکے، اور تبلیغ جس کے معنی صرف پیام پہنچا دینے کے ہیں، کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطے اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں ہے نظام الدین کی تبلیغی جماعت پر یہ اشکال بالکل وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کی تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں انہی کی مشق کرائی جاتی ہے اور انہی کو پیام کے طور پر لے جا کر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے،

ان کے اصول میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ ہے کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہوں۔

(جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات ص۲۷۔۲۸)

یعنی "بیان" اور "تبلیغ کا پیغام" دونوں میں فرق ہے تبلیغی جماعت والے تبلیغ کا پیغام دوسروں تک پہنچاتے ہیں جس کیلئے عالم ہونا ضروری نہیں ہاں وعظ و بیان کیلئے عالم ہونا ضروری ہے۔

قرآن سے اس کا جواز

قرآن مجید فرقان حمید میں تبلیغ کا پیغام یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ بیان کیا گیا ہے اس میں کسی عالم غیر عالم کی تخصیص نہیں کی گئی ہے:

آیت نمبر ۱: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (71)(سورہ توبہ)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا۔ **بیشک اللہ غالب حکمت والا** ہے۔(ترجمہ بریلوی)

(۱) تفسیر بغوی میں ہے:

{وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ} فِي الدِّينِ وَاتِّفَاقِ الْكَلِمَةِ وَالْعَوْنِ وَالنُّصْرَةِ. {يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ} بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ وَالْخَيْرِ، {وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ} عَنِ الشِّرْكِ وَالْمَعْصِيَةِ (بغوی)

خلاصہ عبارت: مومن مرد و عورتوں دین اتفاق باہمی اعلائے کلمہ اللہ تبلیغ دین کے احیا مدد و نصرت میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں ایک دوسرے کو امر بالمعروف یعنی ایمان و نیکیوں کی دعوت دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو شرک و گناہ سے روکتے ہیں۔

(۲) تفسیر ابی حاتم میں ہے۔

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ قَالَ: يَأْمُرُونَ بِطَاعَةِ رَبِّهِمْ، وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ: وَيَنْهَوْنَ عَنْ مَعْصِيَتِهِ، يَعْنِي: عَنْ مَعْصِيَةِ رَبِّهِمْ- عَزَّ وَجَلَّ-.(تفسیر ابی حاتم)

مسلمان مرد وعورت ایک دوسرے کو رب کی طاعت اور رب کی نافرمانی سے روکتے ہیں۔

(۳)دوسری جگہ ہے

يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ، يعني: بالإيمان واتباع محمد صلّى اللّٰه عليه وسلّم، وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ يعني: عن الشرك (تفسیر ابی حاتم)

(۴)علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

وَأخرج أَبُو الشَّيْخ عَن الضَّحَّاك فِي قَوْله {والمؤمنون وَالْمُؤْمِنَات بَعضهم أَوْلِيَاء بعض يأمرون بِالْمَعْرُوفِ وَينْهَوْنَ عَن الْمُنكر} يدعونَ إِلَى الإِيمان بِاللّٰه وَرَسُوله والنفقات فِي سَبِيل اللّٰه وَمَا كَانَ من طَاعَة الله {وَينْهَوْنَ عَن الْمُنكر} ينهون عَن الشّرك وَالْكفْر وَالْأَمر بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْي عَن الْمُنكر فَرِيضَة من فَرَائض اللّٰه كتبهَا اللّٰه على الْمُؤمنِينَ

(در منثور)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اللہ کی راہ اور اطاعت میں خرچ کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور شرک وکفر سے منع کرتے ہیں اور یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اللہ کے فریضوں میں سے ایک فریضہ ہے جسے اس نے تمام مومنوں پر فرض کر دیا ہے۔

تبلیغ والے اس کے علاوہ اور کیا کرتے ہیں بقول سیوطی اسی فرض کو ادا کرتے ہیں جو ہر مسلمان مرد وعورت عالم غیر عالم کا فریضہ ہے۔

آیت نمبر۲: قرآن مجید میں رجل موسیٰ ایک عام آدمی کا ذکر ہے جس نے فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے معاذ اللہ باز رہنے پر تنبیہ کی اور انہیں ایمان کی دعوت دی قرآن نے بطور مدح اس کی دعوت کا ذکر کیا معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ کیلئے عالم ہونا شرط نہیں۔

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ

قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْؕ-وَ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗۚ-وَ اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْؕ-اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ(۲۸)

(سورۃ مومن)

اور بولا فرعون والوں میں سے ایک مرد مسلمان کہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا کیا ایک مرد کو اس پر مارے ڈالتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور بے شک وہ روشن نشانیاں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے لائے اور اگر بالفرض وہ غلط کہتے ہیں تو ان کی غلط گوئی کا وبال اُن پر۔ اور اگر وہ سچے ہیں تو تمہیں پہنچ جائے گا کچھ وہ جس کا تمہیں وعدہ دیتے ہیں بے شک اللہ راہ نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بڑا جھوٹا ہو۔ (کنز الایمان رضا خان)

احادیث سے اس کا جواز

(۳)عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان، حدیث نمبر ۱۷۷، ترمذی، سنن ابی داود، سنن ابن ماجہ)

جو تم میں سے برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ کے ساتھ بدل دے۔ پس اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنی زبان کے ساتھ پھر اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو اپنے دل کے ساتھ اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَلَفْظُ مَنْ لِعُمُومِهِ شَمِلَ كُلَّ أَحَدٍ رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً، عَبْدًا أَوْ فَاسِقًا أَوْ صَبِيًّا مُمَيِّزًا إِذَا كَانَ، وَإِنْ كَانَ يُسْتَقْبَحُ ذَلِكَ فِي الْفَاسِقِ قَالَ تَعَالَى: {أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ} [البقرة: ۴۴] وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ: {لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ} [الصف: ۲] وَأَنْشَدَ:

وَغَيْرُ تَقِيٍّ يَأْمُرُ النَّاسَ بِالتُّقَى ... طَبِيبٌ يُدَاوِي النَّاسَ وَهُوَ مَرِيضُ

(مرقاۃ)

حدیث میں من اپنے عموم پر ہے جس میں ہر مرد، عورت، غلام، فاسق و بچہ جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو شامل ہے (وہ یہ امیر بالمعروف یعنی تبلیغ کا کام کرے گا)

پھر علامہ نووی وملا علی قاری دونوں نے اس حدیث کی شرح میں بڑی زبردست بات لکھی کہ:

ثُمَّ إِنَّهُ إِنَّمَا يَأْمُرُ وَيَنْهَى مَنْ كَانَ عَالِمًا بِمَا يَأْمُرُ بِهِ وَيَنْهَى عَنْهُ، وَذَلِكَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الشَّيْءِ فَإِنْ كَانَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ الظَّاهِرَةِ أَوِ الْمُحَرَّمَاتِ الْمَشْهُورَةِ كَالصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالزَّكَاةِ وَالزِّنَا وَالْخَمْرِ وَنَحْوِهَا، فَكُلُّ الْمُسْلِمِينَ عَالِمٌ بِهَا، وَإِنْ كَانَ مِنْ دَقَائِقِ الْأَفْعَالِ وَالْأَقْوَالِ، وَمَا يَتَعَلَّقُ بِالِاجْتِهَادِ لَمْ يَكُنْ لِلْعَوَامِّ مُدْخَلٌ فِيهِ، لِأَنَّ إِنْكَارَهُ عَلَى ذَلِكَ لِلْعُلَمَاءِ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ إِنَّمَا يُنْكِرُونَ مَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْأَئِمَّةُ،(شرح مسلم ثم مرقاة)

کہ وہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے گا جو اس چیز کو جانتا ہو جس کے متعلق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر رہا ہے۔ اور یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم مامور بہ و منہی عنہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا رہتا ہے پس اگر وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر از قبیل واجبات ظاہری یا محرمات مشہورہ میں سے ہو جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، زنا و شراب کی حرمت جو ہر ایک کو معلوم ہے تو ہر مسلمان ان کا فرض ہونا اور حرام ہونا جانتا ہے (تو اس کی تبلیغ ہر مسلمان پر لازم ہے) ہاں وہ مسائل جو از قبیل اجتہاد ہیں جن تک عوام کے فہم کی رسائی نہیں تو اس کو بیان کرنا علما کا کام ہے عوام کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں (ملخصا)

تو تبلیغ والے بھی مسائل شرعیہ بیان نہیں کرتے بلکہ نماز کا حکم اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے پر بیان کرتے ہے جس کی اجازت علامہ نووی وملا علی قاری ہر مسلمان کو دے رہے ہیں۔

(۴)الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته

(متفق علیه)

ہر شخص اپنی رعیت کا محافظ و امین اور جواب دہ ہے۔

اس حدیث میں بھی مطلقاً بدون قید عالم ہر ایک کو اپنی رعیت کی نصیحت و تنبیہ کا حکم دیا گیا ہے۔

(۵)وَعَن ابْن مَسْعُودٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ يقُولُ: نَضّرَ اللّٰهُ امْرأً سَمِعَ مِنّا شَيْئًا فَبَلّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبّ مُبَلّغٍ أَوْعَى لَهُ مِنْ سَامِعٍ (رَوَاهُ التّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ)

ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی ایسی چیز سنی، تو اس نے جیسے اسے سنا تھا ویسے ہی اسے آگے پہنچا دیا، کیونکہ بسا اوقات جسے بات پہنچائی جاتی ہے وہ اس کی، اس سننے والے کی نسبت زیادہ حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔“

[صحیح، رواہ الترمذی (۲۶۵۷) وابن ماجہ (۲۳۲) وابن حبان (۷۴۔۷۶)]

اس حدیث میں بھی مطلقا پیغام رسول ﷺ آگے پہنچانے کا فرمایا گیا ہے اور تبلیغی جماعت والے بھی یہی کرتے ہیں۔

(۶)بلغوا عنی ولو آیة

یعنی پہنچاؤ مجھ اگر ایک آیت ہو۔

(۷)وَلْيُبَلِّغْ الشّاهِدُ الْغَائِبَ

اور جو حاضر ہیں وہ غاسپ تک پہنچائے۔

ان احادیث میں بھی مطلقا فرمان نبوی ﷺ کو آگے پہنچانے کی تلقین ہے۔

(۸،۹)اسی طرح قرآن نے حبیب نجار کا ذکر ہے جس نے اپنی قوم میں تبلیغ کی وہ عالم نہ تھا صوفیا میں شیخ عبد العزیز دباغ بالکل عامی وان پڑھ تھے لیکن اپنے مریدین میں وعظ و نصیحت کرتے۔ ہمارے کراچی کے پیر سیف الرحمن کے خلیفہ صوفی نثار ایک ان پڑھ درزی ہے مگر آج کتابیں لکھ لکھ کر چھاپ رہا ہے مدرسہ کھولا ہوا ہے مجلسیں کرواتا ہے۔

فقہ سے استدلال

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ شریعت نے ہر مسلمان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مکلف کیا ہے۔

(۱۰) وَالشَّارِعُ وَلَّى كُلَّ أَحَدٍ ذَلِكَ حَيْثُ قَالَ { مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ }

(فتح القدير ،فصل فی التعزير، ج۱۲، ص۱۵۶)

(۱۱) جبکہ خلیفہ پیر سیف الرحمن صوفی نثار الحق سیفی اینڈ پارٹی لکھتی ہے:

''جناب حافظ اظہار الحق ابن احمد علی شاہ تم نے لکھا کہ جاہل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ وعظ و نصیحت کرے جناب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ حضرت مبارک کے سامنے بڑی محافل میں میاں محمد حنفی سیفی وعظ کیا کرتے تھے اس بات کی گواہی صرف ہم نہیں سارے سیفی حضرات دے سکتے ہیں کیا مبارک صاحب کو ان فتاوی جات کا علم نہیں کہ جاہل کا وعظ کرنا حرام ہے یا جاہل کا تبلیغ زنا سے بدتر ہے''۔

(اکرام الحق، ص165)

سیفیوں کا ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو:

(۱۲) جب بی بی صاحبہ نے ان کی خدمت میں رہ کر مراتب کمال و اکمال حاصل کر لئے اور معاملات سنین بہت جلد طے کر لئے اور بلند مقامات اور اعلی مراتب سے مشرف ہو گئیں اور جب ان کا مشرب مشرب محمدی ہو گیا اور ولایت کے جملہ مدارج کا فیض حاصل کر لیا تو اسرار و کمال کی کوئی باریکی نہ تھی جس سے وہ ممتاز نہ ہوئی ہوں اور جب خاص الہامات اور خاص عنایات سے بھی فیض یاب ہو گئیں تو اب آپ کے مرشد قیوم جہاں نے ان کو ارشاد و تبلیغ کا حکم دیا۔

(عمدۃ المکتوبات، ص۱۷، عرفان اللہ عابدی سیفی)

آپ کی عورتیں ارشاد و تبلیغ کریں اور ہمارے مردوں پر اعتراض!!!

محترم محمد حذیفہ راحکوٹی صاحب حفظہ اللہ

قربانی کرنے والے حضرات سے چند صاف صاف باتیں

عید الاضحیٰ کی آمد آمد ہے اور اللہ رب العزت نے اس ماہ مبارک میں ہم مسلمانوں کے ذمہ ایک اہم فریضہ عائد کیا ہے جسے مسلمان پوری دنیا میں ہر سال اس ماہ مبارک میں ادا کرتے ہیں، اس فریضے کی ابتداء جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہوئی، پھر جب ہمارے آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کو اپنی امت کیلئے مشروع فرمایا اور امت کو "سنت ابراہیمی" کو بجالانے کی ترغیب دی اور مختلف احادیث میں اس کے فضائل بیان فرمائے اور خود بھی اس پر عمل پیرا رہے بلکہ اس کی اہمیت اور فضیلت بیان کرنے کیلئے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔"

(ابن ماجہ)"

جس سے اس اہم فریضہ کی اہمت وفضیلت واضح ہوتی ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

شریعت محمدیہ میں ایک اصول ہے کہ اعمال کا دارومدار "نیتوں" پر ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ کے اندر آتا ہے کہ:

"انماالاعمال بالنیّات "(بخاری)

ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل کے ثمرے اور ثواب کا مدار نیت پر ہے اگر نیت خالص اور ریاکاری سے پاک ہوگی تو اس عمل پر اجر وثواب ملے گا وگرنہ اس عمل کی عند اللہ کوئی حیثیت نہیں ہوگی چاہے وہ پہاڑوں کے برابر ہی کیوں نہ ہو بلکہ ریاکاری کی وجہ سے الٹا یہ عمل قیامت دن وبال جان بن جائے گا، یوں تو ہر نیک عمل میں نیت کی درستگی ضروری ہے لیکن عبادات کے اندر اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ عبادت کے اندر اگر نیت خالص نہ ہو اور اس میں ریاکاری شامل ہو تو اس عمل کو شریعت محمدیہ "شرک خفی" کہتی ہے جو انتہائی خطرناک بات ہے، کیونکہ عبادت خالصتاً اللہ رب العزت کا حق ہے اس میں کسی اور کی رضا کو شامل کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں

ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ قربانی بھی ایک جلیل القدر عبادت ہے، لہذا اس میں تمام عبادات کی طرح یہ چیز بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ قربانی بھی خالصتاً اللہ رب العزت کی رضا کی خاطر اور شریعت محمدیہ کے اصولوں کے مطابق ہو، کیونکہ اللہ رب العزت کے یہاں ہمارے جانور کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ ہماری نیت اور تقوی پہنچتا ہے اور اسی پر ہماری قربانی کے قبول وعدم قبول ہونے کا دارومدار ہے۔

مرور زمانہ اور زمانہ نبوی سے بُعد کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر جہاں بہت سی چیزوں میں انحطاط اور تنزل آگیا وہاں قربانی کے سلسلے میں بہت ساری بے اعتدالیوں نے بھی اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں جن کی وجہ سے اس اہم اور مقدس عبادت کا مقصد فوت ہونے لگا ہے جو کہ پریشان کن بات ہے، ذیل میں اس حوالے سے چند بے اعتدالیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے اور قربانی کرنے والے ہمارے مخلص بھائیوں سے یہ گزارش کی جاتی ہے وہ ان باتوں پر نظر رکھیں اور ان سے بچ کر اپنی قربانی کی عظیم عبادت کی حفاظت فرمائیں:

1) آج کل دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ ہم نے قربانی کو عبادت کے بجائے ایک فیشن بنالیا ہے اور رفتہ رفتہ ہمارے ذہنوں سے یہ بات اوجھل ہوتی جارہی ہے کہ یہ بھی ایک عبادت ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مویشی منڈیوں کے اندر آہستہ آہستہ طرح طرح کی خرافات کا ہر سال اضافہ ہوتا جارہا ہے، سب سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ ان منڈیوں کے اندر مرد وزن کا اختلاط قربانی کے دنوں میں روزمرہ کا معمول ہے جس میں شریعت مقدسہ کے بہت سے احکامات کو توڑا جاتا ہے، حالانکہ عورت کو شریعت مقدسہ نے گھر کے کام کاج کی ذمہ داری سونپی ہے اور مرد کو باہر کے کاموں کا ذمہ دار بنایا ہے، لیکن دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ قربانی کے دنوں میں مردوں سے زیادہ عورتیں بغیر کسی شرعی ضرورت کے مویشی منڈیوں میں جانور دیکھنے پہنچی ہوئی ہوتیں ہیں جو کہ یقیناً شریعت مقدسہ کے احکامات اور اس کی روح کے خلاف ہے۔

2) مویشی منڈیوں کے اندر مختلف مقامات پر بڑے بڑے برانڈ کے ٹینٹ لگے ہوتے ہیں جن میں بڑے بھاری اور موٹے تازے جانور کھڑے ہوتے ہیں اور لوگ جوق در جوق انہیں صرف دیکھنے (نہ کہ خریدنے) کیلئے آئے ہوئے ہوتے ہیں، اور انہیں دیکھنے میں اتنے مگن ہوتے ہیں کہ شریعت مقدسہ کے واجب کردہ دیگر فرائض و واجبات کا انہیں خیال تک نہیں ہوتا حتی فرض نمازیں بھی صرف ان جانوروں کو دیکھنے کے چکر میں ضائع کر دی جاتی ہیں اور ان کی کوئی پرواہ نہیں جاتی جو کہ یقیناً خود مقاصد قربانی کے بھی خلاف ہے کیونکہ قربانی کا اصل مقصد تو

اللہ رب العزت کے حکم کے آگے اپنا سب کچھ قربان کرنا ہے، اب اگر کوئی شخص قربانی کے جانوروں کے دیکھنے کے چکر میں ہی فرائض و واجبات کو ضائع کردے گا تو اس نے آخر قربانی کی عبادت سے کیا حاصل کیا ہے؟، دوسری بات یہ بھی ہے کہ صرف ان جانوروں کے دیکھنے میں ہی سارا سارا دن اور ساری ساری رات برباد کردینا وقت ضائع کرنے کے گناہ کو بھی شامل ہے، اس مرض میں ہمارے نوجوان زیادہ مبتلا ہیں، لہذا انہیں سوچنا چاہیے کہ آخر ہم کس ڈگر پر چل رہے ہیں، اور انہیں مقاصد قربانی پر غور کرنا چاہیے۔

3) قربانی کے دنوں کے اندر کافی سالوں سے یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ اب اس مقدس عبادت کے اندر سے "عبادت" کا عنصر کم سے کم اور "دکھلاوے" کا عنصر زیادہ سے زیادہ غالب ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، آپ نے بھی کئی مرتبہ یہ بات سنی ہوگی کہ فلاں نے دس کروڑ کا بیل لے لیا، فلاں نے پانچ کروڑ کا بیل لے لیا وغیرہ وغیرہ، شریعت مقدسہ نے اچھا، موٹا تازہ اور خوبصورت جانور لینے سے ہر گز منع نہیں کیا بلکہ اس کی ترغیب دی ہے کہ جانور اچھا ہو، خوبصورت ہو اور موٹا تازہ ہو لیکن اس کے ساتھ ہمیں شریعت مطہرہ نے ریاکاری سے بچنے اور ہر کام کے اندر اعتدال کو اپنانے کی ترغیب دی ہے، آج کل کے مادیت کے دور کے اندر جس طرح ہر چیز کو مادیت کے ساتھ نتھی کردیا گیا اسی طرح قربانی جیسی عظیم عبادت کے ساتھ کیا جارہا ہے کہ اب صرف کروڑوں روپے کا ایک جانور لینے کو ہی کمال سمجھا رہا اور اسی کو کامیابی شمار کیا جاتا ہے حالانکہ اگر مزاج شریعت کو دیکھا جائے تو شریعت مقدسہ کی نظر میں کروڑوں روپے کا ایک جانور لینے کے بجائے اس سے متعدد جانور لے کر قربان کرنا زیادہ افضل ہے گو کروڑ کا جانور لینا بھی ناجائز نہیں ہے، لیکن اتنے پیسوں سے متعدد جانور لینے میں ثواب بھی زیادہ ہے اور غرباء کا بھی اس میں فائدہ ہے اور آج کل کی مادیت کی چکاچوند سے بچنے کے مواقع بھی اس میں زیادہ ہیں، کیونکہ آج کل کے زمانے میں اخلاص اور للّٰہیت کی کمی کی وجہ سے کروڑوں کا جانور لے کر بہت مشکل ہے کہ آدمی اپنے نفس پر قابو رکھ سکے اور اپنی نیت کو خالص رکھ سکے، الا ماشاء اللہ، اسلئے ہمیں چاہیے کہ ہم ہر عبادت کی طرح قربانی جیسی عظیم عبادت کو بھی مقاصد و مزاج شریعت کو سامنے رکھ کر ادا کریں اور حتی الامکان مادیت کی چکاچوند اور ریاکاری سے بچائیں، تاکہ ہمیں اس سے زیادہ سے زیادہ آخروی فائدہ اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہو۔

شرائط و ضوابط

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1) اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ لہٰذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2) علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3) تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاء اللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳: حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴: بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵: شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4) مضامین میں احتیاط سے کام لے۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5) ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6) مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

واٹس ایپ رابطہ نمبر: 03428970409